صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے روح پرور واقعات

مؤلف

حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری صاحب

استاذ حدیث کلیۃ الشریعۃ واصول الدین وعمید کلیۃ الدعوۃ والإعلام

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

جمعیۃ المعارف الاسلامیہ لکھنؤ

نام کتاب : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے روح پرور واقعات

مؤلف : مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

صفحات : ۱۹۲

تعداد : ۱۰۰۰

ناشر : جمعیۃ المعارف الاسلامیہ، لکھنؤ

کمپوزنگ : مشہود انٹر پرائزز، ندوہ روڈ، لکھنؤ

موبائل: 9839133588

Rs. 170/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

احسان بک ڈپو، ندوہ روڈ، لکھنؤ

پاریکھ بک ڈپو، ندوہ روڈ، لکھنؤ، موبائل: 9839456786

Printed at : Mashhud Enterprises Lko. Mobile : 7007320007, 9839133588

فہرست مضامین

عرض حال	۷
کیا نگاہ بھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا	۱۰
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۳
حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	۲۳
حضرت ابوذر غفاریؓ	۲۶
میرے بھتیجے نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا	۲۹
جو سب سے بڑا موذی تھی وہ آپ ﷺ کے لئے موم ہو گیا	۳۱
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے	۳۴
راستہ روکتے روکتے تھک گئے زندگی کے بدلتے ہوئے زاویے	۳۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب	۳۸
عتبہ کا جواب	۳۹
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی	۴۱
ہجرت ام سلمہؓ	۴۱
اور وہ رونے لگا	۴۳
مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہو گئیں	۴۶
کشت ویراں کے مقابلہ میں امید کا گلدستہ رکھئے	۵۰

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں	۵۴
دن گئے جاتے تھے جس دن کے لئے	۵۷
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں	۶۶
ایں سعادت بزور بازو نیست	۶۹
ادھر حکم پیغمبر ہوا، ادھر گردن جھکا دی	۷۲
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ	۷۶
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی	۷۸
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری	۸۲
مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے	۸۴
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے	۸۶
پھونک کر اپنے آشیانہ کو، روشنی بخش دی زمانہ کو	۹۱
نتیجہ موجۂ قلزم سے پوچھو خدائی کی ہے جب بھی آدمی نے	۹۶
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد	۹۹
بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن	۱۰۱
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا	۱۰۵
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون	۱۱۰
اور وہ ٹوٹ کر بکھر گیا	۱۱۲
مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس کی یہ ادائی ہو ادھر حکم پیمبر ہو ادھر گردن جھکائی ہو	۱۱۷

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی	۱۲۱
بس اس کی زباں سے ایک چیخ نکلی اور قصہ تمام ہوا	۱۲۶
آئے بہت پاک مکرم بن کر کوئی نہ آیا مگر رحمت عالم بن کر	۱۳۰
بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا	۱۳۳
گوہر وہی ہے جو کسی طوفاں میں پل گیا	۱۳۶
نہ وہ سرکش ہوئی اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے	۱۴۹
شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن	۱۶۴
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری	۱۶۷
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا	۱۷۱
شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام	۱۷۴
"حتی أکون أحب إلیه من والده"	۱۷۶
دوستوں سے بھی محبت دشمنوں سے بھی وفا	۱۷۹
امان ذات رسالت نے بھی دیا ان کو	۱۸۲
وما أرسلناك إلا رحمة للعالمین	۱۸۴
مسلمانوں کا شیوہ، شیوۂ طاعت گذاری ہے	۱۸۷

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض حال

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، اما بعد!

انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت تمام مخلوق سے افضل ہے، یہ عظمت اور فضیلت صرف صحابہ کرامؓ کو ہی حاصل ہے کہ اللہ عزوجل نے انہیں دنیا ہی میں مغفرت، جنت اور اپنی رضا کی بشارت دی ہے۔

بہت سی قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ اس بشارت پر شاہد ہیں، صحابہ کرامؓ سے محبت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں جو ان کی فضیلت بیان کی ہے، ان کو تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے بصورت دیگر ایمان ناقص ہے، یہ دین چونکہ ہمارے پاس انہیں کے واسطے سے پہونچا ہے، اس لئے وہ ہمارے ماں باپ سے زیادہ ہمارے محسن ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

”لا تَسُبُّوا أصحابی، فلو أنَّ أحدَكم أنْفَقَ مثل أُحُد، ذهبًا ما بَلَغَ مُدَّ أحدهم، ولا نَصِيفَه“۔

ترجمہ: میرے صحابہ کو برا نہ کہو اس لئے کہ اگر تم میں کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک مد اور اس کے آدھا مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (بخاری شریف ۳۶۷۳)

شرف صحابیت کوئی معمولی چیز نہیں، اس شرف کے لئے اللہ رب العزت نے انہیں منتخب فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں فرمایا:

''إِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ أَصْحَابِي عَلَى الْعَالَمِينَ سِوَى النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، وَاخْتَارَ لِي مِنْ أَصْحَابِي أَرْبَعَةً - أَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعُثْمَانَ، وَعَلِي فَجَعَلَهُمْ من أَصْحَابِي وَقَالَ: فِي أَصْحَابِي كُلِّهِمْ خَيْر....

ترجمہ: بیشک میرے صحابہ کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہاں والوں میں سے پسند فرمایا ہے سوائے انبیاء اور رسولوں کے، اور پسند کیا میرے لئے میرے صحابہ میں سے چار کو، (جو) ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم (ہیں)، بس بنا دیا ان کو میرا ساتھی۔ اور فرمایا میرے سارے صحابہ بھی خیر ہیں۔ (مجمع الزوائد ۱/ ۱۸)

صحابہ کرامؓ کا تذکرہ کثرت سے کرنا چاہئے اس لئے بھی کہ ان عظیم ہستیوں کی تعریف کرنا کار خیر ہے کہ قرآن مجید نے ان مقدس انسانوں کے ایمان کو بعد آنے والے انسانوں کے لئے معیار اور پیمانہ بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَآ آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرہ ۱۳۷)

یعنی اگر تم ایمان اس طرح لاؤ جیسا کہ ایمان صحابہ کرام لائے ہیں تو تم یقیناً فلاح پاجاؤ گے۔

اس لحاظ سے بھی ان کا ذکر خیر لازم ہے تا کہ امت محمدیہ ان کی سیرت اور سرگرمیوں نیز ان کی والہانہ محبت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شیفتگی سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ اور ان کی دین کے لئے قربانی، ایثار، اخلاص، جاں سپاری اور جانکاہی کے نمونہ ان کی زندگی سے حاصل کر کے اور عمل کے ذریعہ اپنی محبت اور شیفتگی کا مظاہرہ کرے اور ان کی سیرت کے واقعات سے خوشہ چینی کر کے اپنی زندگی کے شمع حیات کو فروزاں رکھے۔

اسی کے پیش نظر چند صحابہ کرامؓ کی سیرت کے وہ تابندہ روح پرور واقعات کی ایک جھلک فروزاں مروارید کی کڑی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ کوشش سالوں پہلے ہوئی تھی لیکن حالات کے پیش نظر تاخیر ہوتی رہی یہاں تک کہ حافظ مشہود الحسن سلمہ نے اس طرف توجہ دلائی اور طباعت کے سلسلہ میں پوری توجہ صرف کی بندہ کو بھی احساس ہوا کہ یہ بہت مفید کام ہے۔

ہماری نوجوان نسلوں کے لئے بہت سا نسخہ کیمیا اس میں موجود ہیں۔اور خصوصاً موجودہ حالات میں اس کی افادیت، نافعیت کا احساس زیادہ ہو رہا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات میں اور تذکرے میں باہم ترتیب نہیں ہے۔البتہ افادیت کے پہلو کو پیش نظر رکھ کر یکے بعد دیگرے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور خصوصاً ان واقعات میں ہمارے لئے کیا درس ہے، اور کس حد تک اس سے سرمۂ بصیرت حاصل کر سکتے ہیں، فوائد کے عنوان سے ہر واقعہ کے اخیر میں درج کیا گیا ہے۔تاکہ پڑھنے والا اس پر غور کرے اور سیرت واخلاق اور ذمہ داریوں کی مشاطگی میں اس سے فائدہ اٹھائے۔

اس موقع پر جناب الحاج محمد اسلم پٹیل صاحب حال مقیم پناما کے بھی ہم مشکور ہیں کہ موصوف کے گرانقدر تعاون سے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کا موقع ملا۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ واللہ ولی التوفیق۔

خاکسار

محمد خالد ندوی غازی پوری

۲۰۲۲/۶/۱۳ء

کیا نگاہ تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضرت زید بن سعیہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ہی ملاقات میں مجھے آپ کی شخصیت میں نبوت کی جملہ علامات اور تمام نشانیاں نظر آ گئیں، ہاں البتہ دو صفات کا میں سرد شت مشاہدہ اور تجربہ نہ کر سکا، ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلم و بردباری اور دوسری بدمزاجی کا جواب خوش مزاجی اور ترش روئی کا جواب خندہ روئی سے دینا اور یہ دونوں ہی صفات ایک نبی کا لازمی خاصہ ہیں، لہٰذا میں مختلف تدابیر اور حیلوں کے ذریعہ آپ سے ملنے کے مواقع تلاش کرتا تا کہ آپ کی بردباری اور نرم مزاجی کا تجربہ کر کے آپ کی نبوت کو پورے انشراح اور اطمینان کے ساتھ تسلیم کروں، بالآخر ایک روز یہ موقع مل ہی گیا، ہوا یوں کہ میں نے آپ کو کچھ قرض دیا تھا جب ادائیگی کا وقت آیا تو میں حاضر خدمت ہوا، اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کی ہمراہ جنازہ میں جا رہے تھے، میں نے پہنچتے ہی آپ کی قمیص اور چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا اور پوری تندی و کرختگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر پوچھا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم: آپ میرا قرض کب ادا کریں گے؟ بخدا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فرزندان عبدالمطلب بھی قرض کی ادائیگی میں تاخیر اور کوتاہی کر سکتے ہیں۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمرؓ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے اور خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا کہ اے دشمن خدا! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا اہانت آمیز اور گستاخانہ برتاؤ کرنے کی تجھے جرأت کیونکر ہوئی؟ بخدا اگر مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی ناراضی کا اندیشہ نہ ہوتا تو تیرا سر تن سے جدا کر دیتا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے سکون اور اطمینان کے ساتھ یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے، مسکرا کر فرمایا کہ اے عمر! حق تو یہ تھا کہ تم مجھے قرض کی ادائیگی کی تلقین کرتے اور اسے نرمی و خوش اخلاقی کے ساتھ مطالبہ کرنے کو کہتے، جاؤ اور جا کر اس کا حق ادا کرو اور بیس (۲۰) صاع کھجور میری طرف سے بڑھا کر دینا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اعلیٰ ظرفی (خوش اسلوبی)، خوش اخلاقی اور نرم مزاجی سے متاثر ہو کر حضرت زید بن سعیہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور تا حیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سعادت مند غلام کی طرح رہے۔

(أخرجه ابن حبان، ۴۱۰۵ الموارد)

مذکورہ فوائد: واقعہ سے درج ذیل سبق ملتا ہے۔

(۱) ایک داعی کے لئے یہ ضروری ہے کہ بداخلاقی و بدسلوکی کا جواب صبر و تحمل سے دے۔

(۲) جلدی طیش میں آجانا اور بیجا غصہ کرنا دعوتی کام کے لئے بڑا مضر اور نقصان دہ ہے۔

(۳) حلم و بردباری اور صبر شکیبائی دانشمندی کی علامت ہے۔

(۴) ایک کامیاب اور ہر دلعزیز قائد ہر رنج و خوشی میں اپنے احباب کے ساتھ شریک رہتا ہے۔

(۵) داعی کی ذمہ داری ہے کہ اپنے رفقاء کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرے اور مسکرا کر ان سے بات کرے۔

(۶) قرض کی ادائیگی خوش اسلوبی کے ساتھ ہونی چاہئے۔

(۷) قرض کی ادائیگی میں کسی کو وکیل اور ذمہ دار بنانا درست ہے۔

(۸) جب مدت پوری ہو جائے تو قرض خواہ کو مقروض سے مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

(۹) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند کردار، اعلیٰ اخلاق، نرم مزاجی اور انکساری وفروتنی کا پیکر تھے۔

(۱۰) بڑے کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کرنے والا مناسب سزا کا مستحق ہوتا ہے اِلا یہ کہ صاحب معاملہ خود معاف کر دے یہی بہتر اور سنت ہے کہ اللہ کے رسول نے یہی معاملہ فرمایا تھا۔

(۱۱) مقروض کو قرض خواہ کے ساتھ ترش روی کے ساتھ پیش نہیں آنا چاہئے۔

(۱۲) اگر پہلے سے شرط نہ لگائی جائے تو قرض کو اضافہ کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے بصورت دیگر حرام اور ناجائز۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

جز شوق سفر جز ذوق طلب کچھ اور مجھے منظور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے ایک روز مجھ سے خود اپنی سرگذشت بیان کی اور بتایا کہ وہ ایرانی نژاد ہیں اور اصفہان کی ایک چھوٹی سی بستی ''جے'' سے انکا تعلق ہے ان کے والد اس بستی کے پردھان اور سرپنچ ہوا کرتے تھے اور ان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ گھر کی چاردیواری سے باہر قدم رکھنے کی مطلق اجازت نہیں دیتے تھے۔

کچھ دنوں میں حضرت سلمان مجوسیت کی مذہبی تعلیمات حاصل کر کے آتش پرستوں کے مذہبی پیشوا اور دینی رہنما بن گئے، آگ جلانا اور اسے روشن رکھنا ہی ان کا کام اور ان کی ذمہ داری تھی، ان کے والد کے پاس کافی جائیداد اور بڑی زمینیں تھیں جن کی وہ بنفس نفیس دیکھ بھال کرتے تھے، ایک روز کسی ضرورت کی وجہ سے وہ خود نہ جاسکے تو اپنے لخت جگر سلمان فارسی کو ضروری ہدایات دیکر زمینوں کی نگرانی اور دیکھ ریکھ کیلئے بھیجا اور چلتے وقت یہ تاکید کردی کہ جلد واپس آجانا کہیں تمہاری غیر موجودگی مجھے پریشان نہ کردے، اپنے والد کے حکم کے مطابق حضرت سلمان کھیت پر جانے کے لیے گھر سے نکلے راستہ میں ایک گرجہ سے انکا گزر ہوا جہاں سے عیسائیوں کی عبادات اور دعاؤں کی آوازیں آرہی تھیں حضرت سلمان چونکہ کبھی گھر سے باہر نہیں نکلے تھے اس لئے ان کے لئے یہ صدائیں اور آوازیں بالکل نامانوس اور انوکھی تھیں، لہٰذا یہ دیکھنے کے لئے کہ آخر یہ لوگ کیا کر رہے ہیں وہ گرجہ

میں داخل ہوئے اوران کی عبادت اور دعاؤں کے نورانی اور روح پرور منظر سے اتنے متاثر ہوئے کہ بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ مذہب ہمارے دین سے بہتر اور اچھا ہے، اس ماحول میں انہیں کچھ ایسی کشش اور راحت محسوس ہوئی کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے اور یہ بھول ہی گئے کہ گھر سے کیوں نکلے تھے اور یوں ہی ایک بے خودی کے عالم میں دلچسپی اور رغبت کے ساتھ انہیں اوران کی سرگرمیوں کو دیکھتے رہے اور انہیں محسوس ہی نہیں ہوا کہ کب سورج غروب ہوا، دوران گفتگو انہیں یہ علم ہوا کہ اس مذہب کا مرکز ومنبع شام ہے۔

ادھر جب وہ دیر تک گھر نہیں لوٹے تو ان کی تلاش شروع ہوئی اور ان کے والد کے تو جیسے ہوش ہی اڑ گئے ہوں، سب کچھ چھوڑ چھاڑ بس ان کی تلاش میں لگ گے، جب رات گئے حضرت سلمان واپس لوٹے تو دیکھتے ہی پوچھا کہ برخوردار کہاں تھے؟ تم نے تو ہماری جان ہی نکال دی؟ اتنی تاکید کر کے بھیجا تھا کہ پھر کیا ہوا؟ انہوں نے بڑی معصومیت اور سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ ''ابا حضور! راستہ میں ایک گرجہ سے گزر ہوا کچھ لوگ وہاں عبادت ودعاء میں مشغول تھے، مجھے بڑا اچھا لگا لہٰذا میں ان کے پاس چلا گیا اور سورج ڈھلنے تک وہیں رہا'' ان کے والد نے انہیں سمجھایا کہ دیکھو بیٹا! تمہارا آبائی دین اس دین سے بہت بہتر ہے، لیکن ان کے دل میں تو دین عیسوی کی محبت اور حقانیت اس درجہ بس چکی تھی انہوں نے برملا جواب دیا ''نہیں یہی مذہب زیادہ اچھا ہے''۔

یہ جواب سن کر ان کے والد صاحب پریشان ہو گئے اور اس خوف سے کہ مبادا وہ نیا دین قبول کر لیں ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر انہیں گھر میں قید کر دیا، انہوں نے موقع پا کر نصرانیوں کو یہ پیغام بھیج دیا کہ جب بھی شام کا کوئی قافلہ آئے تو انہیں ضرور خبر کی جائے، اتفاق سے کچھ ہی دنوں میں شام کا ایک قافلہ بھی آ گیا، نصرانیوں نے انہیں اطلاع کر دی، انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جب یہ قافلہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر واپس جانے لگے تو

خاموشی سے مجھے بتا دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب قافلہ چلنے کو ہوا تو انہیں خبر کر دی گئی، وہ کسی طرح بیڑیوں سے آزاد ہو کر قافلہ میں شامل ہوئے اور ان کے ہمراہ شام پہونچ گئے۔

شام آ کر انہوں نے اپنی تلاش و جستجو کا سفر شروع کر دیا، دریافت کرنے پر کسی نے بتایا کہ چرچ کا پادری عیسائیوں کا سب سے بڑا مذہبی رہنما اور ان کا علمی قائد ہوتا ہے، لہٰذا وہ پادری کے پاس پہونچے اور انہیں پوری روداد اور آنے کا مقصد بتا کر خدمت میں رہنے کی اجازت چاہی جو بآسانی مل گئی لیکن کچھ ہی دنوں میں انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ ایک سفید پوش بد باطن انسان ہے جو حرص و آزار میں اس درجہ گرفتار ہے کہ لوگوں کو خیرات و صدقات کی تلقین کرتا ہے اور جب وہ کچھ دیتے ہیں تو اس سے اپنی ہی تجوری بھرتا ہے، مساکین کو ایک حبہ نہیں دیتا، حتی کہ اس کا خزانہ سونے اور چاندی کی کان یا کسی سنار کی دوکان معلوم ہوتا تھا، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت سلمان اس سے سخت متنفر ہو گئے۔

جب اس کا انتقال ہوا اور اس کے عقیدت مند اس کی تدفین کے لئے جمع ہوئے تو حضرت سلمان فارسی نے انہیں اس کے سیاہ کرتوت اور ان کی شیطانی حرکتوں سے آگاہ کیا، اول اول تو انہیں یقین نہیں آیا لیکن تحقیق حال اور حضرت سلمان کی نشاندہی پر خزانہ کی دریافت کے بعد انہیں ان تلخ حقائق کو قبول کرنا ہی پڑا بہر حال ان سب نے مل کر اسے دفن نہ کرنے ہی کا فیصلہ کیا اور اسے صلیب پر لٹکا کر سنگسار کر دیا، پھر اتفاق رائے سے ایک دوسرے شخص کو اس کا جانشیں بنا دیا، جو حضرت سلمان کی شہادت کے مطابق صوم و صلوۃ کا پابند، دنیا سے بے رغبت اور شب و روز عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے والا خدا کا ایک نیک و صالح بندہ تھا، اس کی ان ہی خوبیوں کی وجہ سے حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے غیر معمولی عقیدت و محبت ہو گئی اور میں ایک طویل عرصہ تک اس کی خدمت میں رہا حتی کہ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے کہا کہ میں ایک مدت سے آپ کے

پاس رہ رہا ہوں اور آپ سے والہانہ تعلق اور بے پناہ محبت بھی ہے، اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کے آخری ایام ہیں کیا آپ میری رہنمائی کر سکتے ہیں کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں رہ کر اپنی اصلاح کی فکر کروں، اس نے بتایا کہ اس وقت میری معلومات کے مطابق پوری دنیا میں صرف موصل کے فلاں صاحب قابل اعتماد اور نیک آدمی ہیں تم ان کی خدمت میں چلے جانا، جب ان کا وصال ہو گیا تو تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد سلمان فارسی نے موصل کا رخ کیا، وہاں ان صاحب سے ملے اور اپنی آپ بیتی سنا کر اور پادری کی وصیت کا حوالہ دیکر قیام کی اجازت چاہی جو خوش قسمتی سے مل بھی گئی یہ صاحب بھی مذکورہ بالا صفات کے حامل ایک نیک اور متدین انسان تھے لیکن جلد ہی راہئی ملک عدم ہو گئے مرض الوفات میں انہوں نے بھی نصیبین کے ایک شخص کی نشاندھی کر کے حضرت سلمان فارسی کو وہاں چلے جانے کا مشورہ دیا تدفین سے فراغت کے بعد پھر انہوں نے رخت سفر باندھا اور اللہ کا نام لیکر روانہ ہو گئے، اس مرتبہ انکی منزل نصیبین تھی، وہاں پہونچ کر ان صاحب سے ملاقات اور انہیں بھی اپنی مکمل سرگزشت سنا کر اور اپنے دونوں بزرگوں کا حوالہ دیکر کسی طرح خدمت کی اجازت حاصل کر لی، یہ صاحب بھی مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کے طرح بڑے ہی سادہ لوح اور نیک مزاج ثابت ہوئے لیکن قدرت کو ابھی شاید ان کی استقامت و ذوق طلب کا اور امتحان لینا منظور تھا، لہٰذا یہ صاحب بھی زیادہ دن باحیات نہ رہے اور جلد ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے، انہوں نے بھی حسب سابق اپنے آخری وقت میں عموریہ کے ایک بزرگ کی صحبت سے مستفید ہونے کی وصیت کی چنانچہ جب انہیں سپرد خاک کر دیا گیا تو حضرت سلمان ایک بار پھر اپنے ذوق بادیہ پیمائی کی تسکین کے لئے منزل لیلیٰ کی جستجو میں عموریہ کی جانب روانہ ہوئے وہاں پہونچ کر مطلوبہ شخص کا پتہ لگایا اور ان کی خدمت میں رہ کر حسب معمول استفادہ شروع کر دیا، عموریہ میں حضرت

سلمان فارسی نے کچھ کام کاج کر کے تھوڑا بہت پس انداز بھی کر لیا لیکن شاید ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے ان بزرگ کی زندگی کا چراغ ٹمٹمانے لگا تو حضرت سلمان فارسی کو تشویش ہوئی اور خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں کئی واسطوں اور بڑی مشقت کے بعد آپ تک پہنچا ہوں اب آپ کے بعد کہاں جاؤں گا؟ انہوں نے فرمایا کہ اب شاید خدا کی اس سرزمین پر دین حق کا پیرو اور راہ حق کا راہ رو تمہیں نہ مل سکے، لیکن ایک نبی کا زمانہ قریب آچکا ہے جو دین ابراہیمی کے علمبردار ہونگے، سرزمین عرب میں ان کا ظہور ہوگا اور وہاں سے ہجرت فرما کر نخلستان والی بستی میں تشریف لیجائیں گے علامات نبوت ان کے سراپا میں صاف ہویدا ہونگی جنہیں ہر شخص بآسانی پہچان سکتا ہے کچھ بڑی بڑی نشانیاں تمہیں بتا دیتا ہوں تا کہ پہنچاننے میں آسانی ہو، وہ یہ ہے کہ وہ ہدیہ استعمال کریں گے لیکن صدقہ کسی قیمت پر خود استعمال نہیں کریں گے اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی تم سے ہو سکے تو وہیں چلے جاؤ، بس یہی ایک واحد راستہ ہے، راہ حق کا یہ سچا اور بے مثال راہی جسے دنیا سلمان فارسی کے نام سے جانتی ہے کب پیچھے ہٹنے والا تھا، ادھر ان بزرگ کا انتقال ہوا اور ادھر یہ سفر کے لئے تیار ہو گئے، عرب تاجروں کا ایک قافلہ عموریہ آیا تو انہوں نے ان لوگوں سے عرب لے چلنے کی درخواست کی، اور اس کے عوض اپنے جانوروں کی پیشکش کی جس کو انہوں نے قبول کر لیا لیکن وادی القری میں پہنچ کر ان کی نیت بگڑ گئی اور ان ظالموں نے بے چارے معصوم کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ع

یک عشق و ہزار گونہ خواری

ایک عرصہ تک وہ اس یہودی کے غلام رہے، وہاں انہیں کھجور کے باغات نظر آئے، جس سے ان کے حزین و مغموم دل میں امید کی کرن پیدا ہوئی کہ شاید یہی وہ مبارک و مقدس نگری ہو جس کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں، لیکن پوری طرح تشفی نہیں ہوئی،

ابھی وہ اسی پس وپیش اور تذبذب میں تھے کہ ایک روز مدینہ سے ان کے آقا کا عم زاد آیا اور انہیں خرید کر مدینہ لے گیا، پہلی ہی نظر میں انہوں نے اس شہر قدس کو پہچان لیا، بس پھر کیا تھا مارے خوشی کے جھوم اٹھے۔ ع

جستجو جس گل کی رلاتی تھی مجھے خوبیٔ قسمت کہ آخر مل گیا وہ گل مجھے

دوسری طرف مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کا آغاز کر چکے تھے، تیرہ سالہ محنت ومشقت کے بعد اہل مکہ کی ایذا رسانیوں اور مخالفتوں سے تنگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو ہر طرف ایک شور مچ گیا اور مدینہ اور مضافات مدینہ میں بس آپ کی آمد ہی موضوع سخن اور عنوان بحث بن گئی، حضرت سلمان خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے آقا کے باغ میں ایک درخت پر چڑھ کر کچھ کام کر رہا تھا کہ اتنے میں اس کا چچازاد بھائی آیا اور کہا کہ خدا بنو قیلہ کو غارت کرے وہ سب کے سب مکہ سے آنے والے مدعیٔ نبوت کے پاس مقام قباء میں جمع اس کی باتیں سن رہے ہیں، حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ یہ جملہ سننا تھا کہ جسم پر رعشہ طاری ہو گیا اور میں نیچے گرتے گرتے بچا، پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور نیچے اتر کر اس نووارد سے پوچھا کہ ذرا دوبارہ کہنا، تم نے کیا کہا؟ میری اس جرأت پر آقا آگ بگولہ ہو گیا اور ایک زوردار طمانچہ رسید کر کے جھڑک کر مجھ سے کہا کہ اپنے کام سے کام رکھو، تمہارا اس سے کیا سروکار؟ ع

عشق ہے کار شیشۂ وآہن

وہ بیچارے غلام تھے، کیا جواب دیتے؟ یہ کہہ کر کسی طرح پیچھا چھڑایا کہ بس یونہی معلوم کر لیا تھا، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس میری جمع کی ہوئی تھوڑی بہت پونجی تھی، جب شام ہوئی تو اسے لیکر قبا میں رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جناب! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایک بھلے انسان ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ تہی

دست لوگ بھی ہیں یہ میرے پاس تھوڑی بہت چیزیں تھیں جنہیں میں صدقہ کرنا چاہتا تھا، میری نظر میں اسکا آپ سے زیادہ مستحق کوئی نہیں، لہٰذا ازراہ مہربانی قبول فرمالیجئے۔ یہ کہہ کر میں نے وہ سامان آپ کی طرف بڑھایا، آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کھاؤ لیکن خود تناول نہیں فرمایا، یہ دیکھ کر میں نے سوچا کہ چلو ایک بات ثابت ہوئی، پھر میں وہاں سے واپس ہوا اور پھر کچھ سامان جمع کیا، اسی اثناء میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے، وہاں میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میں یہ جان چکا ہوں کہ آپ صدقہ کا مال استعمال نہیں فرماتے، لہٰذا اب کچھ نذرانہ ہے، اگر قبول فرمالیں تو نوازش ہوگی، اس مرتبہ آپ نے خود بھی کھایا اور صحابہ کو بھی اپنے ساتھ کھلایا۔ یہ دیکھ کر مجھے اطمینان ہوگیا کہ بحمد للہ دونوں صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود ہیں، پھر تیسری مرتبہ آپ کی زیارت کا موقع اس وقت ملا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں اپنے کسی صحابی کی تدفین کے سلسلہ میں موجود تھے، آپ صحابہ کرامؓ کے جلو میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو چادریں تھیں، میں نے حاضر ہوکر سلام عرض کیا، پھر گھوم کر بغور آپ کی پشت کا جائزہ لینے لگا کہ شاید مجھے مہر نبوت نظر آجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے اندازے سے بھانپ گئے کہ مجھے مہر نبوت کی تلاش ہے! اور اپنی پشت سے چادر سرکا دی، مہر نبوت کو دیکھتے ہی میں دیوانہ وار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور بے تحاشا اسے چومنے لگا، میری آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری تھا، اللہ کے رسول نے یہ محبت دیکھ کر بڑے مشفقانہ انداز میں مجھ سے کہا کہ سامنے آؤ، میں حاضر ہوا، اور تلاش حق کی اپنی پوری روداد از اول تا آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ڈالی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہوئی کہ آپ کے صحابہ بھی اس عبرت آموز چشم کشا داستان کو سنیں اور سبق حاصل کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ واقعہ اپنے صحابہ سے بیان فرمایا۔

حضرت سلمان فارسیؓ غلام ہونے کے وجہ سے جنگ بدر اور جنگ احد میں شریک نہ ہو سکے جس کی وجہ اللہ کے رسول کو ان کی آزادی کی فکر ہوئی، چنانچہ حضرت سلمانؓ خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم کچھ دے دلا کر اپنے آقا سے آزادی حاصل کرلو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میں نے تین سو درخت تیار کرنے اور چالیس اوقیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس سے آزادی کا پروانہ حاصل کرلیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو صحابہ کرام سے فرمایا کہ اپنے دینی بھائی کی مدد کرو چنانچہ سب بقدر وسعت، کسی نے تیس، کسی نے بیس، کسی نے پندرہ اور کسی نے دس ہی پودوں کے ذریعہ میری مدد کی جب میرے پاس پورے تین سو پودے ہو گئے تو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی جس پر آپ نے فرمایا ''جاؤ سلمان! ان پودوں کو لے جا کر ان کی جگہوں پر رکھ دو، جب فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا میں خود اپنے ہاتھوں سے یہ پودے لگاؤں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ فارغ ہو گئے تو آ کر اطلاع دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے شجر کاری کی یہ کام انجام دیا، حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے برکت سے ان میں سے کوئی پودا بھی نہیں سوکھا، اس طرح میں نے شجر کاری کی یہ شرط تو پوری کر دی لیکن مال کی ادائیگی ابھی میرے ذمہ ابھی باقی تھی، ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سونا آیا جس کا وزن یہی کوئی ایک مرغی کے انڈے کے برابر ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مجھے یاد فرمایا، حاضر ہوا تو فرمایا یہ لے جاؤ اور اپنا حساب بے باق کر دو، میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اتنا سا مال میرے قرض کی ادائیگی کے لئے کیونکر کافی ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ بس لیجاؤ، اللہ تمہارا قرض چکائے گا، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسے اٹھا کر اس کا وزن کیا تو معلوم ہوا کہ پورے چالیس اوقیہ ہے، میں نے اپنا قرض ادا کیا اور

آزاد ہوگیا۔

حضرت سلمان فارسیؓ ایک آزاد و خود مختار انسان کی حیثیت سے پہلی مرتبہ جنگ خندق میں شریک ہوئے اور اس کے بعد کسی جنگ میں پیچھے نہ رہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(أخرجه ابن الاثير في اسد الغابة ٤١٧/٧)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ نتائج:-

(۱) والدین کی فرمانبرداری محبت کا سبب ہوتی ہے۔

(۲) راہ خدا سے روکنے کے لئے قید و بند، زنجیر و سلاسل اور تہدید و تخویف مجرموں کے پرانے ہتھکنڈے ہیں۔

(۳) ایمان کی راہ میں دنیا اور دنیاوی ساز و سامان کو تج دینا، ہیچ اور آسان معلوم ہوتا ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی

(۴) تاثیر میں ایمان و عقیدہ کا کوئی ثانی نہیں۔

(۵) مومن ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

ع وہ کوئی اور ہونگے امن ساحل دیکھنے والے

(۶) بد باطن و بد فطرت لوگ بھی کبھی اپنے مقصد کی خاطر اصلاح و تقویٰ کا جامہ زیب تن کر لیتے ہیں۔

کوئی فریب نہ کھائے سفید پوشی سے ہزار بار ستارے نگل گئی ہے سحر

(۷) علم کتابوں سے زیادہ علماء کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

ع باسوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

(۸) متقی شخص کے لئے اللہ راہیں نکال دیتے ہیں اور جو اللہ کے لئے کسی چیز سے

دست بردار ہوتا ہے اللہ اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔

(۹) ایمان کا معیار یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی کے لئے محبت کرے اور اللہ ہی کے لئے نفرت۔

(۱۰) گفتگو کرنیوالے کی بات بغور سننا اخلاق نبوی کا ایک حسین نمونہ ہے۔

(۱۱) قائد کو اپنے ماتحتوں کی خبر رکھنی چاہئے۔

(۱۲) باہمی تعاون اور مشکل وقت میں ایک دوسرے کی خبر گیری ایک صالح اور صحت مند اسلامی معاشرہ کا لازمی خاصہ ہے۔

اگر کل کائنات کی دولت بھی مجھے ملتی ہو تو بھی میں پرانے دین پر لوٹنے کو پسند نہ کرونگا

(حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ)

حضرت محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ خاندانی غیرت وحمیت حضرت حمزہؓ کے قبول اسلام کا سبب بنی، ان کا معمول تھا کہ حرم سے باہر جا کر شکار کرتے اور جب واپسی میں قریش کی مجلس میں انکا گزر ہوتا تو خوب مزے لے لے کر اپنی شجاعت و بہادری اور نشانہ بازی و تیراندازی کے واقعات انہیں سناتے کہ آج میں نے یوں تیر مارا اور ایسا شکار کیا، آج اس طرح حملہ کیا اور یوں شکار پکڑا، اس داستان سرائی اور شیخی خوری کے بعد ہی وہ اپنے گھر جاتے، ایک روز جب وہ حسب معمول شکار کھیل کر واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جو انہیں دیکھتے ہی بول پڑی کہ اے ابوعمارہ! کچھ خبر بھی ہے ابوجہل نے تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا کیا ہے؟ پھر وہ خود ہی بولی کہ آج تو ابوجہل نے ان کے ساتھ مار پیٹ اور گالی گلوج تک کی ہے، حضرت حمزہؓ نے پوچھا کہ کیا کسی نے اس کو ایسا کرتے دیکھا ہے؟ وہ بولی کہ ہاں، کیوں نہیں؟ اچھے خاصے لوگوں نے دیکھا ہے۔

یہ سن کر حضرت حمزہؓ آگے بڑھ گئے اور جب صفا مروہ کے پاس پہونچے جہاں قریش کی مجلس لگتی تھی تو حسب معمول وہاں رک کر بولے کہ آج میں نے خوب شکار کیا اور خوب

جی بھر کر تیراندازی کی، پھر اچانک کمان اٹھا کر ابوجہل کی گدی پر اس زور سے مارا کہ خون کا فوارہ جاری ہوگیا اور پھر بآواز بلند کہا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی گواہی دیتا ہوں، لوگوں نے سنا تو کہا: اے ابوعمارہ! کیا غضب کرتے ہو، وہ ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے اور وہ تو کیا اگر اس کی جگہ تم بھی ہوتے تب بھی ہم تمہاری بات نہ مانتے حالانکہ تم ہر اعتبار سے بہتر ہو۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت حمزہؓ گھر پہنچے تو ان کے دل میں طرح طرح کے شیطانی خیالات آنے لگے کہ یہ تم نے کیا کیا؟ تم تو سردار قریش ہو، اتنی آسانی سے اپنا آبائی دین چھوڑ کر اس بے دین کی بات مان لی؟ ایسی بے غیرت زندگی سے تو موت بہتر ہے؟ یہ اور ان جیسے کتنے ہی خیالات اور وساوس تھے جن سے پریشان ہو کر حضرت حمزہؓ بے اختیار یہ دعا کرنے لگے کہ ”اے اللہ! اگر یہ دین ہدایت ہے تو مجھے جمنے کی توفیق دے ورنہ اس مصیبت سے نکلنے کی کوئی سبیل پیدا فرما دے۔“

وہ رات انہوں نے بڑی بے کلی و بے چینی کے عالم میں گزاری، صبح ہوئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ”میرے بھتیجے! میں کچھ عجیب قسم کی بے چینی و بے قراری میں گرفتار ہوں جو کسی طور پر میرا پیچھا نہیں چھوڑتی اور مجھ جیسے آدمی کے لئے کسی ایسے مذہب پر قائم رہنا جس کے حق اور باطل ہونے میں اسے خود تردد ہو، بہت ہی مشکل اور دشوار ہے، تم ہی مجھے اس پریشان سے نجات دلا سکتے ہو، میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ سناؤ۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سمجھایا اور بڑے موثر اور دلنشیں انداز میں وعظ و نصیحت کی جس سے انہیں پورا انشراح ہوگیا اور شیطان کا اثر جاتا رہا اور پھر پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ انہوں نے کہا ”میں دل سے گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو، جاؤ اور اپنے دین کی اشاعت کرو، اب اگر کل کائنات کی دولت بھی مجھے ملتی

ہوتو بھی میں پرانے دین پر لوٹنے کو پسند نہ کروں۔

یہی حضرت حمزہؓ تھے جن کے ذریعہ اللہ نے اسلام کو تقویت عطا فرمائی۔ رضی اللہ عنہ

(أخرجه الذهبی فی السیرة النبویة- ص ۱۷۹)

درج بالا قصہ سے مندرجہ ذیل تعلیمات ملتی ہیں:

(۱) دعوت کے راستہ میں پیش آنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

(۲) جسے ایمان کی لذت اور حلاوت مل جائے پھر دنیا کی کوئی چیز اس کے لئے کوئی کشش اور قیمت نہیں رکھتی۔

(۳) شیطان انسان کا دشمن ہے جو کسی قیمت پر اسے راہ یاب و کامیاب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔

(۴) مضبوط اور صحیح عقیدہ رکھنے والا ثابت قدم اور مستقل مزاج ہوتا ہے جب کہ دوسرے لوگ توہم پرست، سیماب صفت اور شکی مزاج ہوتے ہیں۔

(۵) دین کی نصرت وحمایت کے لئے قبائلی عصبیت اور خاندانی نخوت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ

دو قدم میں راہ طے ہے شوق منزل چاہئے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں جب حضرت ابوذرؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں سنا تو اپنے بھائی انیس سے کہا کہ ذرا مکہ جا کر اس شخص کے بارے میں کچھ معلومات تو حاصل کرو جو نبوت اور آسمان سے وحی آنے کا دعویدار ہے۔ حضرت ابوذر کی خواہش پر ان کے سگے بھائی مکہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور گفتگو سن کر وہاں سے لوٹے تو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایک عجیب وغریب کلام کی تلاوت فرماتے ہیں جو شعر و شاعری تو نہیں، نا معلوم کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ تم اطمینان بخش وسیر حاصل معلومات فراہم نہیں کر سکے، پھر انہوں نے خود رخت سفر باندھا، پانی کی چھاگل لی اور مکہ جا پہنچے، سب سے پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مسجد حرام گئے لیکن چونکہ وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی سے دریافت کرنا بھی نہیں چاہتے تھے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل نہ سکے، رات ہوئی تو وہیں پڑ کر سو گئے، حضرت علیؓ کا گزر ہوا تو سمجھ گئے کہ کوئی پردیسی ہے، لیکر گھر پہونچے اور ضیافت کی لیکن آپس میں کوئی بات چیت نہ کی، نہ حضرت علیؓ نے ان سے کچھ پوچھا اور نہ ہی انہوں نے حضرت علیؓ سے کوئی سوال کیا، صبح ہوئی تو اپنا سامان اٹھایا اور جا کر مسجد میں پڑ گئے، اس روز بھی وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے میں کامیاب نہ ہو سکے، شام ہوئی تو پھر وہیں لیٹ گئے، حضرت علیؓ کا وہاں سے گزر ہوا سوچا

کہ شاید اس بیچارے مسافر کو اب تک منزل کا پتہ نہیں ملا، ترس کھا کر انہیں گھر لے گئے اور کھانا وغیرہ کھلا کر سلا دیا لیکن اتفاق سے آج بھی تعارف نہ ہو سکا، جب تیسرے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا تو حضرت علی سے رہا نہ گیا اور پوچھ ہی لیا کیا آپ اپنی آمد کا مقصد بتائیں گے؟ حضرت ابوذرؓ نے رازداری کی شرط پر بتایا کہ میں اس شخص کے بارے میں تحقیق کرنے آیا ہوں جو نبوت کا دعویدار ہے، یہ سن کر حضرت علیؓ نے فرمایا ''یہ سچ ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، میں کل صبح آپ کو ان کے پاس لے چلوں گا، صبح جب میں گھر سے باہر نکلوں تو آپ میرے پیچھے ہولیں، اگر مجھے کہیں خطرہ محسوس ہوگا تو میں آپ سے بالکل لاتعلق ہو کر اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا جیسے کوئی حاجت پوری کر رہا ہوں ورنہ میں چلتا رہوں گا آپ میرے پیچھے پیچھے رہیں''۔

اگلے روز ایسا ہی ہوا، حضرت ابوذر غفاریؓ حضرت علیؓ کے ساتھ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تھا، خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی باتیں سنیں فوراً اسلام لے آئے۔

ایک وہ بھی مقدر ہوتا ہے ایک ایسی بھی قسمت ہوتی ہے
بوجہل یونہی رہ جاتا ہے بوذرؓ کو ہدایت ہوتی ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اپنی قوم میں جا کر دعوت و تبلیغ کرو لیکن ان پر اشاعت حق کا کچھ ایسا نشہ سوار تھا کہ بے اختیار بول پڑے ''میں تو انہی دشمنان اسلام کے سامنے کلمۂ حق کا برملا اعلان کروں گا، خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو''۔ ع

ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم

یہ کہہ کر وہ نکل گئے اور مسجد حرام میں پہونچ کر بآواز بلند نعرۂ حق بلند کیا "أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله" اتنا سننا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے ان

پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر بے حال کر دیا، اتنے میں کہیں سے حضرت عباس وہاں آ پہنچے یہ منظر جو دیکھا تو گھبرا گئے، دوڑ کر لوگوں کے ہاتھ سے انہیں چھڑایا اور کہا کہ معلوم بھی ہے کس پر زور آزمائی کرتے ہو، یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے، شام جاتے ہوئے تمہارا قافلہ وہیں سے گزرتا ہے کچھ پتا بھی ہے اس دشمنی کا انجام کیا ہوگا؟ بہر حال کسی طرح کہہ سن کر انہیں بچا کے لائے لیکن حضرت ابوذرؓ تو شاید عقل کو نذر جنون کر چکے تھے، اگلے روز پھر مسجد حرام میں جا کر صدائے توحید بلند کی جس کا انجام توقع کے عین مطابق ان کی پٹائی کی صورت میں ظاہر ہوا، اس روز بھی حضرت عباس کسی طرح بیچ بچاؤ کر کے انہیں دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر لائے۔ رضی اللہ عنہ۔ (أخرجه البخاری ۵۴۹/۵)

مذکورہ واقعہ سے مستفاد اصول:

(۱) دعوت کے آغاز میں اگر حالات سازگار نہ ہوں تو احتیاط برتنی چاہئے۔

(۲) بسا اوقات ایمان لانے پر انسان کو طرح طرح کے مصائب وشدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسے موقع پر صبر کا دامن نہ چھوڑنا چاہئے۔ ع

دشواریوں کے بعد ہی منزل کی بات ہے

(۳) کلمہ حق کے اظہار پر اگر ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو تو خاموش رہنا جائز ہے، اسی طرح کبھی حالات وکوائف کو دیکھتے ہوئے برملا اعلان کر دینا بھی درست ہے بلکہ بسا اوقات محمود و مستحسن ہے۔

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

میرے بھتیجے نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا
(ابوطالب)

امام بخاری عقیل بن ابی طالب سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک وفد نے ابوطالب سے آکر شکایت کہ کہ آپ کا بھتیجا ہر جگہ ہمیں تنگ کرتا ہے، نہ عبادت خانہ میں چھوڑتا ہے، نہ محفل میں، خلوت میں باز آتا ہے نہ جلوت میں، آپ اسے منع کردیجئے۔ ابوطالب نے فوری قدم اٹھاتے ہوئے عقیل سے کہا کہ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لاؤ، وہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر واپس لوٹے، وہ سخت گرمی کا زمانہ تھا اور ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، آفتاب اپنے شباب پر اور گرمی پورے عروج پر تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس پہنچے کفار مکہ کی شکایتیں سنیں تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا "آسمان میں چمکتا یہ سورج آپ لوگوں کو نظر آرہا ہے؟ ان لوگوں نے کہا "ہاں! ہم دیکھ رہے ہیں" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا "اگر آپ لوگ اس سے کوئی شعلہ یا انگارہ لے آئیں تو بھی میں یہ دعوت اور مشن نہیں چھوڑ سکتا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دوٹوک جواب سن کر ابوطالب بولے "آپ یہاں سے چلے جائیں! میرے بھتیجے نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ابوطالبؓ نے یہ اشعار کہے:

والله لن يصلوا إليك بجمعهم حتى أشكون في التراب دفينا

میرے جیتے جی یہ سب مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

فامض لأمرك ما عليك غضاضة أبشر وقر بذاك منى عيونا

جاؤ بالکل بے فکر ہو کر اپنا کام کرو، کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا، جاؤ میرے بھتیجے جیتے رہو، میری آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

وعدتنی وعلمت أنك ناصحی فلقد صدقت وکنت قبل أمینا

میرے بھتیجے جی یہ سب مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وعرضت دینا قد عرفت بأن من خیر أدیان البریة دینا

تم ایک ایسے دین کی دعوت دیتے ہو جس کے بارے میں مجھے پورا اطمینان ہے کہ وہ سب سے افضل اور بہتر دین ہے۔

لو لا الملامة أو حذاری سبة لوجدتنی سمعا بذاك مبینا

اگر دنیا کی ملامت وتکوہش اور طعنوں کا اندیشہ نہ ہوتا میں کھلے دل سے اس کا استقبال کرتا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے ذریعہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا انتظام فرمایا جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے عملاً اختلاف رکھتے تھے۔

درج بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) مشیت ایزدی اسی بات کی مقتضی تھی کہ اختلاف دین کے باوجود ابوطالب کے ذریعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت ونصرت اور پشت پناہی کا انتظام کیا جائے۔

(۲) اپنی قوم اور خاندان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنا داعی کی لازمی صفت ہے۔

(۳) بڑی سے بڑی چیز کا لالچ بھی مومن کے ایمان کو متزلزل نہیں کرسکتا۔

(۴) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی تئیں مشرکین مکہ کا رویہ معاندانہ اور باغیانہ تھا، نیز ہر ممکن طریقہ سے آپ کے خلاف ماحول بنانے اور لوگوں کو برانگیختہ کرنے کے لئے کوشاں وفکرمند رہتے تھے۔

راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دیں پتھر برسائے ☆☆ اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

جو سب سے بڑا موذی تھا
وہ آپ ﷺ کے لئے موم ہو گیا

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے پوچھا ''آپ کے خیال میں قریش نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسم کو سب سے زیادہ تکلیف کس موقع پر پہنچائی؟'' انہوں نے جواب دیا:

''ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ حطیم میں قریش کے کچھ رؤساء اور سردار جمع ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں پر کچھ اس انداز میں تبصرہ کر رہے ہیں'' اس آدمی کی بکواس اور ہرزہ سرائیوں پر ہم بہت صبر کر چکے، اس نے کیا کچھ نہیں کیا! ہمارے عقلمندوں کو ناسمجھ کہا، ہمارے اسلاف پر کیچڑ اچھالی، ہمارے دین اور عقیدہ میں کیڑے نکالے، ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، ہمارے معبودوں کی توہین کی، بس اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، اب ہم برداشت نہیں کر سکتے'' ابھی وہ لوگ اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں اللہ کے رسول تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا، جب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جملے کسے جس کا اثر میں نے صاف طور پر آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کیا، لیکن آپ بغیر کچھ کہے آگے بڑھ گئے، دوسرے چکر میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کے قریب سے ہوا تو انہوں نے پھر

طعنے دیئے اور سخت سست کہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے آگے بڑھ گئے اور کچھ نہیں کہا، پھر تیسری مرتبہ بھی جب ایسا ہی ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قریش کے لوگوں! کچھ ہوش بھی ہے، میں تمہارے ہلاکت کا پیام لایا ہوں'' اس جملہ نے بم کا کام کیا، سب بالکل دم بخود ہو گئے مانو ان کو سانپ سونگھ گیا ہو حتی کہ ان میں جو سب سے بڑا موذی تھا وہ بھی آپ کے لئے موم ہو گیا اور کہا کہ ''اے ابوالقاسم! آپ تو بڑے نیک طبیعت اور خوش مزاج ہیں، آپ کہاں ان لوگوں کو منھ لگاتے ہیں، گھر جایئے'' یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے۔

اگلے روز پھر وہ لوگ وہیں جمع ہوئے، میں بھی موجود تھا، اتنے میں کسی نے کہا، ارے بھئی کچھ یاد بھی ہے کل کیا ہوا تھا، اس چھوکرے نے تمہیں اتنی سخت بات کہی اور تم کچھ بھی نہ کر سکے''۔

ابھی یہ باتیں چل ہی رہی تھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ سب ایک ساتھ ٹوٹ پڑے اور چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر کر پوچھا ''تم ہی ہمارے مذہب اور معبودوں کے خلاف زبان کھولتے ہو'' آپ نے فرمایا ''ہاں! میں ہی ہوں''۔

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کو پکڑ کر زور سے کھینچا، حضرت ابوبکرؓ یہ منظر دیکھ رہے تھے، روتے ہوئے آئے اور کہا کہ اے لوگوں! تم صرف اس بات پر ایک آدمی کو مارے دیتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب مانتا ہے۔

یہ سن کر وہ لوگ واپس ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں یہی وہ موقع تھا جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے

سب سے زیادہ تکلیف پہونچی۔

(أخرجه البيهقي في دلائل النبوة (۲/۲۷٤، ۲۷٦)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ نتائج:

(۱) صبر وضبط اور ثبات واستقامت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

(۲) دل میں ایمان کی شمع روشن ہو تو زمانہ کی تیز تند ہوائیں بھی اسے نہیں بجھا سکتیں

ع۔ عشق خود ایک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

(۳) اہل باطل کا اہل حق کو اذیتیں دینا پرانا دستور ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفیٰ سے شرار بولہبی

(۴) داعی کا اخلاص دشمنوں کو مرعوب کر دیتا ہے۔

(۵) حضرت ابوبکرؓ آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ اور قریش کے کچھ لوگ جمع تھے، حج کا موسم آنے ہی والا تھا، ولید بن مغیرہ جوان میں سب سے زیادہ عمر دراز تھا بولا کہ حج کے دنوں میں عرب کے مختلف وفود یہاں آئیں گے، وہ یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نئے دین کے بارے میں سن چکے ہوں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اسکا مذہب قبول کر لیں۔ سب مل کر کوئی ایسی تدبیر سوچو جس کے ذریعہ لوگوں کو اس سے دور رکھا جا سکے، نہ وہ اس کی بات سنیں نہ متاثر ہوں، سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ حضور آپ ہی کوئی مناسب تدبیر بتا دیجئے، آپ سے زیادہ تجربہ کار اور جہاں دیدہ کون ہوگا، ولید نے کہا کہ نہیں! تم لوگ بتاؤ، میں بیٹھا سنتا ہوں انہوں کہا، ٹھیک ہے ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے، ولید نے کہا، نہیں وہ کاہن نہیں ہو سکتا، میں نے کاہنوں کو خوب دیکھا ہے، کاہنوں کے منتروں کو اس کے کلام سے کیا نسبت! انہوں نے کہا، تو پھر ہم کہیں گے کہ وہ مجنوں اور دیوانہ ہے، اس رائے سے بھی اس نے اتفاق نہیں کیا اور کہا یہ تجویز بھی نامناسب ہے، اس لئے کہ ہمیں معلوم ہے کہ جنون کسے کہتے ہیں، مجنوں کی اور اسکی باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اس پر ان لوگوں نے کہا، چلئے پھر ہم لوگوں سے کہیں گے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر ہے، ولید نے پھر یہی جواب دیا کہ اسے شاعر بھی نہیں کہا جا سکتا، شاعری کے جملہ اقسام سے ہم بخوبی واقف ہیں، کوئی صنف سخن ایسی نہیں، جسمیں ہمیں دستگاہ اور مہارت نہ ہو، اس کے کلام کو شعر بھی نہیں کہا جا سکتا، انہوں نے کہا ''اب تو ایک ہی

صورت باقی رہ گئی کہ ہم اسکا تعارف ایک ماہر جادوگر کی حیثیت سے کرائیں'' ولید نے اس رائے کو بھی پسند نہیں کیا اور کہا کہ اسے ساحر و جادوگر کہنا کسی طور مناسب نہیں، کہاں جادوگروں کا ٹونا ٹوٹکا اور ان کے ناپاک سفلی اعمال اور کہاں اس کے پاکیزہ اخلاق اور لاجواب کلام، آخران لوگوں نے تنگ آکر کہا جناب والا! پھر آپ ہی کوئی تدبیر بتا دیجئے، ہم کس طرح اس سے پیچھے چھڑائیں، اس نے کہنا شروع کیا کہ دیکھو اس کے کلام میں ایک عجیب قسم کا لطف و چاشنی پائی جاتی ہے، اس کا ہر ہر لفظ اپنے اندر حقائق و معانی کا سمندر اور حکمت و موعظت کا موتی رکھتا ہے، تم اس کے بارے میں جو بھی پروپیگنڈہ کروگے اس کا غلط اور جھوٹ ہونا معلوم ہو جائیگا، سب سے مناسب و معقول بات یہ ہوگی کہ تم لوگوں سے یہ کہنا، ''یہ شخص اپنے عمل اور افسوں سے شوہر بیوی، بھائی بھائی اور باپ بیٹے کو جدا کر دیتا ہے، خاندان کے خاندان اس کی سازش اور تعویذوں سے بکھر گئے، جب وہ یہ سنیں گے تو خود ہی اس کے قریب بیٹھنے سے گریز کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حج کا موسم آیا تو ان لوگوں نے یہ معمول بنالیا کہ راستہ میں بیٹھ جاتے اور جو بھی وہاں سے گزرتا اس کے کان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان اور متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں آیتیں اتاریں " ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا، وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا....."

مجھے اور اسے چھوڑ دے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ہے، اور اسے بہت سا مال دے رکھا ہے، اور حاضر باش فرزند بھی، اور میں نے اسے بہت کچھ کشادگی دے رکھی ہے، پھر بھی اس کی چاہت ہے کہ اسے اور زیادہ دوں، نہیں، نہیں، وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے، عنقریب اسے میں ایک سخت چڑھائی چڑھاؤنگا، اس نے غور کر کے تجویز پیش کی۔ اسے ہلاکت ہو کیسی (تجویز) سوچی؟ پھر غارت ہو کس طرح اندازہ کیا۔ اس نے پھر دیکھا، پھر

تیوری چڑھائی اور منہ بنایا۔ پھر پیچھے ہٹ گیا اور غرور کیا، اور کہنے لگا یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا گیا ہے، سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں، میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالونگا، اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا چیز ہے، نہ وہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔ کھال کو جھلسا دیتی ہے اور اس میں انیس (فرشتے مقرر) ہیں۔ اور اس طرح جو ناہنجار اور ظالم اس مشورہ میں شریک تھے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی " **فوربك لنسئلنهم أجمعين عما كانوا يعملون** " قسم ہے تیرے پالنے والے رب کی ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے، ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔

درج بالا واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) مشرکین مکہ جو کہ اہل زبان اور سخن ور تھے قرآن کریم کے اعجاز اور بلاغت کا اعتراف کرتے تھے۔

(۲) قرآن کریم کے اندر بلا کی تاثیر اور اثر آفرینی ہے۔

(۳) کفار باطل کی ترویج و اشاعت کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

(۳) مشرکین کے باطل عقائد و فرسودہ نظریات کے رد کرنے کے لئے ان سے مباحثہ اور مناظرہ کرنا جائز ہے۔

(۵) مشرکین مکہ ہٹ دھرم، متشدد، ناشکرے اور حق ناشناس تھے۔

راستہ روکتے روکتے تھک گئے

زندگی کے بدلتے ہوئے زاویے

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک روز قریش کے کچھ لوگ جمع ہوئے اور کہا ''ذرا غور کرو ہمارے درمیان سحر، علم نجوم اور شعروشاعری کا سب سے زیادہ علم اور سب سے اعلیٰ ذوق کون رکھتا ہے، اگر کوئی ایسا شخص ملے تو ہم اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فہمائش کے لئے اس کے پاس بھیجیں، اس نے تو ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے، ہمارے شیرازہ کو منتشر اور اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا، ہمارے دین میں کیڑے نکالے اور ہمارے آبائی مذہب کو بدنام کیا'' غور وفکر کے بعد سب کی یہی رائے ہوئی کہ عتبہ بن ربیعہ سب سے مناسب رہیں گے، چنانچہ سب کی خواہش دیکھ کر وہ اللہ کے رسول کے پاس آئے اور آ کر کہا ''محمد! یہ بتاؤ کہ تم بہتر ہو یا تمہارے والد عبداللہ بہتر تھے'' آپ خاموش رہے، اس نے پھر پوچھا ''اچھا بتاؤ تم افضل ہو یا تمہارے دادا عبدالمطلب افضل تھے'' آپ نے کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور خاموش رہے، اس نے پھر کہا ''دیکھو اگر تم یہ مانتے ہو کہ یہ اسلاف اور قوم کے بزرگ تم سے بہتر تھے تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ان ہی بتوں کے پرستار تھے جن کے خلاف تم زہر اگلتے پھرتے ہو اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم بہتر ہو تو ٹھیک ہے تم اپنی بات رکھو، ہم سنتے ہیں، میرے خیال میں تم سے زیادہ اپنی قوم کو مصیبت اور پریشانی میں ڈالنے والا کوئی بچہ اس ارض خاکی پر پیدا نہیں ہوا، تم نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈالے، ہماری جمعیت کو توڑا،

ہمارے دین کے خلاف زہر افشانی کی، تم نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا، سارے عرب میں رسوا کر ڈالا حتی کہ وہ طرح طرح کی باتیں بنانے لگے، کوئی کہتا ہے کہ قریش میں ایک جادوگر ہے، کوئی کہتا ہے وہ نجومی ہے، کوئی کہتا ہے کاہن ہے، غرضیکہ جتنے منھ اتنی ہی باتیں، تم نے خانہ جنگی کے حالات پیدا کر دیئے، معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب آپس ہی میں لڑ مر کر ختم ہو جائیں گے، اے بندۂ خدا! اگر تمہیں مال کی ضرورت ہے تو بتاؤ، ہم اتنا مال دے دیں گے کہ تم قریش کے سب سے مالدار آدمی بن جاؤ گے، اگر شادی کی خواہش ہو تو قریش کی کسی بھی لڑکی کو پسند کر لو اور اگر کہو تو ہم دس لڑکیوں سے تمہاری شادی کرا دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر آپ کی بات مکمل ہو گئی ہو تو میری بھی چند گزارشات سن لیجئے'' پھر آپ نے سورہ فصلت کی تیرہ (۱۳) آیتیں تلاوت کیں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ...إِلٰى قَوْلِهٖ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ"

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، حم۔ اتاری ہوئی ہے بڑے مہربان بہت رحم کرنے والے کی طرف سے۔ (ایسی) کتاب ہے جس کی آیتوں کی واضح تفصیل کی گئی ہے۔ (اس حال میں کہ) قرآن عربی زبان میں ہے اس قوم کے لئے جو جانتی ہے، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر بھی ان کی اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ تو جس کی طرف ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دل تو پردہ میں ہیں، اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے، اور ہم میں اور تجھ میں ایک حجاب ہے، اچھا تو اپنا کام کیے جا ہم بھی یقیناً کام کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے! کہ میں تو تم ہی جیسا انسان ہوں، مجھ پر وحی نازل کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود اللہ ہی ہے، سو

تم اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو، اور ان مشرکوں کے لئے (بڑی ہی) خرابی ہے، جو زکوۃ نہیں دیتے ہیں اور اخرت کے بھی منکر ہی رہتے ہیں، بیشک جو لوگ ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ان کے لئے نہ ختم ہونیوالا اجر ہے، آپ کہہ دیجئے! کہ تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو اور تم اس کے شریک مقرر کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین پیدا کر دی، ساری جہانوں کا پروردگار وہی ہے، اور اس نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی) غذاؤں کی تجویز بھی اس میں کر دی (صرف) چار دن میں، ضرورت مندوں کے لئے یکساں طور پر، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں (سا) تھا پس اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کیا ہم بخوشی حاضر ہیں، پس دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب احکام کی وحی بھیج دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے زینت دی اور نگہبانی کی، یہ تدبیر اللہ غالب و دانا کی ہے، اب بھی یہ روگرداں ہو تو کہہ دیجئے! کہ میں تمہیں اس کڑک (عذاب آسمانی) سے ڈراتا ہوں جو مثل قوم عاد اور ثمود کی کڑک کے ہوگی۔

عتبہ کا جواب

عتبہ نے یہ آیتیں جو سنیں تو بولا "بس کرو! تمہارے پاس کہنے کو کچھ اور بھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں، بس یہی کہنا تھا" جب عتبہ واپس ہوا تو لوگوں نے پوچھا "کہو، کیا خبر لائے ہو؟" اس نے کہا "کوئی تجویز اور پیشکش میں نے اس کے سامنے رکھنے سے نہیں چھوڑی، ہر بات کہہ ڈالی" لوگوں نے بے تابی سے پوچھا "پھر اس نے کوئی جواب دیا؟" عتبہ نے کہا "ہاں! جواب تو ضرور دیا لیکن قسم رب کعبہ کی، اس کی طویل گفتگو میں سے صرف اتنا ہی سمجھ سکا کہ وہ عاد و ثمود پر آنے والے آسمانی عذاب سے تمہیں ڈراتا ہے،"

لوگوں نے کہا ''بھئی حد ہوگئی! ایک شخص نے تم سے عربی میں گفتگو کی اور تم یہی نہ سمجھ سکے کہ اس نے کیا کہا'' اس نے کہا ''ہاں، واقعی آسمانی عذاب کے تذکرہ کے سوا میں کچھ نہ سمجھ سکا'' ایک روایت میں عتبہ سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے یہ آیتیں سن کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور اسے قرابت کا واسطہ دے کر چپ ہو جانے کو کہا، کیونکہ تم لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ نہیں بولتے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں واقعی عذاب نہ آ جائے۔

(رواہ البیہقی فی الدلائل (۲/۲۰۲—۲۰٤)

درج بالا واقعہ سے مستنبط فوائد:

(۱) داعی کے لئے ضروری ہے کہ جب کسی سے گفتگو یا بحث ہو تو وہ اسے اپنی بات کہنے کا پورا موقع دے اور بغور اس کے اشکالات سنے، جب وہ فارغ ہو جائے تو اطمینان سے ہر ہر بات کا جواب دے۔

(۲) داعی کے نزدیک دنیا کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

(۳) آدمی لازمی طور پر بری صحبت کا اثر قبول کرتا ہے۔

(۴) جاہ و منصب اور زن و زر جیسی مؤثر اور دلکش چیزوں کی پیشکش بھی داعی کو اس کے مقصد حقیقی سے غافل نہیں کر سکتی۔

(۵) دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مدعو کے دل کو اپیل جائے اور نرمی و رواداری کا پہلو اختیار کیا جائے۔

(٦) قرآن کریم کے اندر اس بلا کی تاثیر اور اثر آفرینی ہے کہ منکرین و کفار بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

(۷) کفار بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معترف تھے۔

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ پر سرزمین مکہ تنگ کر دی گئی اور اسلام قبول کرنے کی سزا میں ان پر بے انتہا مظالم ڈھائے گئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہ آپ ان کے لئے حفاظتی انتظامات نہیں کرا سکتے انہیں ہجرت کر جانے کی اجازت دیدی اور کہا "حبشہ کا بادشاہ بہت انصاف پسند اور عدل پرور ہے، وہاں بالکل امن وامان اور سکون واطمینان ہے، کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا میری رائے یہ ہے کہ تم وہیں چلے جاؤ اور جب تک اللہ تعالیٰ کوئی راہ نہ نکال دے وہیں رہو۔

ہجرت ام سلمہؓ

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں نکلے اور ایک ایک کر کے سب حبشہ پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر ہم نے چین کی سانس لی کہ چلو یہاں کوئی ہمیں ستانے والا یا دین سے روکنے والا نہیں ہے لیکن قریش کے لوگ کب سکون سے بیٹھنے والے تھے، جب انہیں یہ خبر ملی کہ انہیں ایک پرامن پناہ گاہ اور محفوظ ٹھکانہ مل گیا ہے تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو ہمیں واپس لانے کے لئے حبشہ روانہ کیا اور انہیں بیش قیمت وگراں بہا ہدایا اور تحائف دیکر یہ تاکید کر دی کہ وہ نجاشی سے ملنے سے پہلے اس کے تمام درباریوں اور عہدیداروں سے ملیں اور انہیں ہدیے اور تحفے دیکر پہلے ہی اپنے حق میں کر لیں تاکہ بادشاہ کے دربار میں وہ ان کی تائید اور حمایت کریں اور ساتھ ہی یہ بھی تاکید کر دی کہ دیکھو اس بات کی پوری کوشش

کرنا کہ بادشاہ ان کی بات سنے بغیر ہی انہیں تمہارے حوالے کردے، اس کے بعد یہ دونوں وہاں سے چل دیئے اور حبشہ پہونچے، وصیت کے مطابق پہلے ہی بادشاہ کے تمام مقربین کو تحفے اور نذرانے دیکر اپنے حق میں کرلیا پھر نجاشی کے پاس پہونچے اور اس کی خدمت میں مکہ کے قیمتی اور نادر تحفے پیش کر کے بولے ''بادشاہ سلامت! ہمارے یہاں کے کچھ سر پھرے نوجوان اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر آپ کے ہاں آگئے ہیں، وہ نہ ہمارے دین کے پیرو ہیں اور نہ ہی آپ مذہب کے متبع، بلکہ ایک عجیب وغریب نیا مذہب انہوں نے اختیار کیا ہے، ہمیں ان کی قوم کے بڑے بوڑھوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ ان نوجوانوں کو ہمارے حوالہ کردیں، اور یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ ان کی قوم کے لوگ ہی زیادہ اچھی طرح ان کا خیال رکھ سکتے ہیں، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ انہیں واپس کردیجئے'' ان کی یہ باتیں سن کر نجاشی غضبناک ہوکر کہا ''بخدا، جب تک میں ان سے خود صحیح صورت حال معلوم نہ کرلوں ہرگز تمہارے حوالے نہیں کرسکتا، ان لوگوں نے میرے ملک میں پناہ لی ہے، وہ میرے مہمان ہیں، میں ان کے ساتھ ایسا غیر منصفانہ برتاؤ نہیں کرسکتا، ہاں! اتنا ضرور کرسکتا ہوں کہ انہیں بلا کر پوری بات معلوم کروں، اگر تمہاری بات صحیح نکلی تو انہیں تمہارے حوالے کردوں گا ورنہ وہ میرے مہمان ہوں گے، یہاں انہیں کوئی کسی طرح کی گزند نہیں پہونچا سکتا'' نجاشی کے درباریوں نے بھی یہ کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو ان کی بات سنے بغیر ہی واپس کردے لیکن اس نے سختی سے انکار کردیا، بہرحال مسلمان دربار میں بلائے گئے، تب نجاشی کے استفسار پر نبی صلعم کے چچیرے بھائی جعفر طیار نے اس کے سامنے تقریر کی ''اے بادشاہ، ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی ایمانداری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ وقانون نہ تھا، ایسی حالت میں خدا نے ہم

میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب ونسب، سچائی، دیانتداری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے، اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں، اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا، اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں، وعدہ پورا کیا کریں، گناہوں سے دور رہیں، برائیوں سے بچیں، اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں، صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں، اور لکڑی اور پتھر کی مورتوں کی پوجا نہ کریں، ہم نے ان کے ہاتھوں بہت ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جب مجبور ہوگئے تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں"۔

اور وہ رونے لگا

نجاشی نے یہ پوری تقریر سکون اور وقار کے ساتھ سنی اور کہا کہ تمہارے نبی اللہ کے پاس سے جو کتاب لائے ہیں کیا تم اس میں کچھ مجھے سنا سکتے ہو؟ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے تحاشا رونے لگا حتی کہ اس کے آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہوگئی، اس کے دربار کے پادریوں پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔ یہاں تک کہ ان کے مذہبی صحیفے آنسوؤں سے بھیگ گئے، پھر نجاشی نے کہا "حضرت عیسیٰ کے پیغام اور اس کلام میں بلا کی مماثلت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی شرچشمہ سے نکلے ہیں، اس کے بعد وہ قریش کے قاصدوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا "تم یہاں سے چلے جاؤ، بخدا میں انہیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا" جاتے جاتے عمرو بن العاص نے ایک اور چال چلی، اس نے کہا "بادشاہ سلامت یہ لوگ حضرت مسیح کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کہتے ہیں جن کا زبان سے نکالنا مشکل ہے" نجاشی نے پوچھا کہ تم لوگ حضرت مسیح کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جعفر بن ابی طالبؓ نے جواب دیا، ہم انہیں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی نے ہمیں تعلیم دی، وہ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں، اسی طرح وہ اس کی

روح اور کلمہ ہیں جو اس نے عفت مآب کنواری مریم پر القا کیا، یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا ''حضرت عیسیٰ تمہاری بیان کردہ تعریف سے اتنے بھی بڑھے ہوئے نہیں ہیں، تمہاری تعریف ان پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے'' پادریوں نے جو اپنے عقیدہ کے خلاف اس کی زبان سے یہ بات سنی تو آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے لیکن اس نے ان کی ناراضی کی مطلق پروانہ کرتے ہو کہا ''اگر تمہیں میری بات پر اعتراض ہے تو جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور جہاں جی چاہے جا کر رہو، تم بالکل آزاد ہو، کوئی اگر تمہیں ستائے گا تو مستحق سزا ہوگا اور اگر تمہیں اذیت پر مجھے سونے کا پہاڑ بھی ملتا ہوگا تب بھی تمہاری تکلیف برداشت نہیں کروں گا'' پھر نجاشی نے کہا ''دیکھو تمہیں خوب معلوم ہے جب اللہ میرا ملک غاصبوں سے مجھے لوٹایا تھا تو مجھ سے کسی قسم کی رشوت کا مطالبہ نہیں کیا تھا، اب میں کیونکر رشوت لیکر ان بندگان خدا کو ان کے سپرد کردوں اور لوگ مجھ سے میرا تاج وتخت چھیننا چاہتے تھے لیکن اللہ نے ان کی مرضی کے خلاف کرنے مجھے حبشہ کے تخت کا مالک بنایا، آج جب اس کے دین کا معاملہ آیا ہے تو میں کیوں حق بات کہنے میں لوگوں کی رضامندی و ناراضی کا خیال کروں، ان کے تحائف انہیں واپس کردو، مجھے چنداں احتیاج نہیں اور انہیں فوراً ملک سے باہر کردو'' وہ دونوں اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور ناکامی و نامرادی لئے وہاں سے لوٹے، حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ہم بڑے ہی امن اور اطمینان کے ساتھ حبشہ میں رہے جیسے کوئی کسی مہربان وخیر خواہ انسان کی پناہ میں رہتا ہے۔

اسی زمانہ میں نجاشی کے کسی دشمن نے اس پر حملہ کردیا، مہاجر مسلمانوں نے اپنے بارے میں نجاشی کا قابل تعریف موقف اور اس کے احسان کے جواب میں اس کا ساتھ دیا جو اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے مطابق اور مسلمانوں کے اخلاق کے شایان شان تھا۔

(أخرجه ابن اسحاق (۳۵۷/۱) وأحمد (۲۹۲/۵)

درج بالا قصہ سے اخذ کردہ نتائج:

(۱) اپنے دین کی حفاظت کے لئے کسی عدل پرور کافر کی پناہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲) اسباب اختیار کر کے اللہ (مسبب الاسباب) پر اعتماد کرنا ہی اصل توکل ہے۔

(۳) اللہ کے ناراضی کے کاموں میں بندوں کی بات نہیں ماننا چاہیے۔

(۴) کیسا ہی پرخطر موقع ہو سچا مسلمان کبھی حق بات کہنے سے پیچھے نہیں ہٹتا، خواہ وہ بات کسی کو بری لگے۔

آئین جواں مردی حق گوئی و بیباکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(۶) واللہ غالب علی أمرہ ولکن أکثر الناس لا یعلمون (اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے، لیکن اکثر انسان اتنا بھی نہیں جانتے)

(۷) احتیاطی تدابیر قضاء وقدر پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

(۸) فإذا قلتم فاعدلوا (جب بھی زبان کھولو سچی پکی بات کہو۔

(۹) شکر نعمتوں کے اضافہ کا ذریعہ ہے 'لئن شکرتم لأزیدنکم'

(۱۰) نعمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندہ قولاً وعملاً دونوں حیثیتوں سے اس کا شکر ادا کرے۔

(۱۱) طاغوتی لشکر ہمیشہ دین اور اہل دین کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

مشکلیں اتنی پڑیں کہ آساں ہوگئیں

حضرت موسیٰ بن عقبہ الزھری فرماتے ہیں کہ جب مسلمانوں پر مشرکین مکہ کے مظالم کی انتہا ہوگئی اور ان کی جرأت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل تک کا ارادہ کرلیا تو ابو طالب نے بنو مطلب کو جمع کر کے حکم دیا کہ سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر گھاٹی میں چلے جائیں اور آپ کی حفاظت کا پورا خیال رکھیں۔

چنانچہ بنو مطلب کے تمام لوگ بلاتفریق مذہب وملت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت پر آمادہ ہوگئے، جو مشرک تھے وہ خاندانی غیرت کے زیر اثر اور جو مسلمان تھے وہ دینی حمیت اور اسلامی غیرت میں اٹھ کھڑے ہوئے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا، جب قریش نے یہ صورت حال دیکھی تو ایک ہنگامی میٹنگ بلائی جس میں یہ طے کیا کہ نہ کوئی ان کے ساتھ بیٹھے گا، نہ ان سے خرید وفروخت کرے گا اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا تعلق رکھے گا حتی کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ کردیں، پھر انہوں نے اس معاہدہ کی دستاویز تیار کی جس کا متن یہ تھا: ''جب تک بنو ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ نہ کریں نہ ان سے کسی قسم کا صلح کی جائیگی اور نہ ہی کسی قسم کی نرمی اور رواداری برتی جائے گی''۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنو ہاشم اسی کسمپرسی کی حالت میں تین سال تک شعب ابی طالب میں قید رہے، قریش نے ان کا حقہ پانی بند اور ان کا مکمل سماجی بائیکاٹ کردیا تھا، ابو طالب کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب رات ہوتی تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ''جاؤ! اپنے بستر پر لیٹ جاؤ، پھر جب سب سو جاتے تو اپنے کسی بھائی یا دوسرے کسی عزیز

سے کہتے کہ جاؤ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر جا کر سو جاؤ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چپکے سے اس کی جگہ سلا دیتے۔

جب پورے تین سال اسی بے کسی و بے بسی کے عالم میں گزر گئے تو قریش کے کچھ لوگوں کو شرم آئی کہ ہم تو یوں مزہ سے کھاتے رہیں اور ہمارے ہاشمی اعزاء ایک ایک دانہ کو ترس جائیں، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ معاہدہ نامہ کو چاک کر دیں گے اور اس ظالمانہ و وحشیانہ بائیکاٹ سے دست بردار ہو جائیں گے۔

ادھر انہوں نے یہ ارادہ کیا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ایک دیمک کو حکم دیا جس نے چاٹ چاٹ کر کعبۃ اللہ کی چھت سے آویزاں اس عہد نامہ کی تمام دفعات کو مٹا دیا، صرف اللہ تعالیٰ کا نام اور ظلم، شرک، قطع رحمی اور اس قسم کے کچھ دوسرے الفاظ چھوڑ دیئے، اللہ رب العزت نے بذریعہ وحی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے آگاہ کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے اس کا تذکرہ کیا، ابو طالب چونکہ آپ کی صداقت و راست بازی سے اچھی طرح واقف تھے لہٰذا فوراً یقین کر لیا اور بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت کو لے کر حرم کا رخ کیا جہاں قریش کے لوگ بڑی تعداد میں جمع تھے، انہوں نے جو ابو طالب کو کچھ لوگوں کے ساتھ آتے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے اور سمجھے کہ شاید فاقہ کشی اور مصیبتوں سے پریشان ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حوالہ کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور اسی کی خبر دینے آئے ہیں، ابو طالب نے قریب آ کر گفتگو کا آغاز کیا اور کہا "ہمارے درمیان صلح کی ایک صورت نکل آئی، لیکن ہم اپنی زبان سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے، تم جا کر وہ صحیفہ لیکر آؤ جس پر تم نے معاہدہ کی دفعات لکھی تھیں، ممکن ہے ہمارے اور تمہارے درمیان صلح صفائی ہو جائے"، وہ جا کر خوشی خوشی صحیفہ لے آئے، انہیں پورا یقین تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے گا، اس لئے کہ یہی صلح کی ایک واحد صورت ہو سکتی ہے اور انہوں نے

پورے وثوق کے ساتھ کہا کہ لاؤ اب اپنا وعدہ پورا کرو اور اس شخص کو ہمارے حوالہ کردو جس کی وجہ سے پوری قوم کی عزت اور سرداری داؤ پر لگی ہوئی ہے۔

ابو طالب جو خاموشی سے کھڑے یہ ساری باتیں سن رہے تھے بولے ''دیکھو میں ایک مناسب تجویز تمہارے سامنے رکھتا ہوں جس میں نہ تمہاری حق تلفی ہوگی نہ ہماری اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا، دیکھو، میرے بھتیجہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اللہ اس معاہدہ سے ناخوش ہے اور اس نے اس کا ہر ہر لفظ مٹا دیا، صرف تمہاری وحشیت و بربریت، قساوت وسنگدلی اور قطع رحمی کی داستان سنانے کے لئے چند الفاظ چھوڑے ہیں، میرے بھتیجہ کی یہ بات اگر سچ ہے تو تم لوگ ہوش میں آجاؤ، ہم کسی قیمت پر اسے تمہارے سپرد نہ کریں گے اور اگر یہ بات غلط ثابت ہوئی تو ہم اسے تمہارے حوالہ کردیں گے، آگے تمہاری مرضی ہوگی، چاہو تو قتل کردینا اور چاہو تو زندہ رکھنا، ہم سے مطلب نہیں'' ان لوگوں نے کہا ''ٹھیک ہے ہم راضی ہیں'' کاغذ جو کھول کے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حرف بہ حرف صحیح نکلی لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس نشانی کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور صداقت کو تسلیم کرتے، الٹے آپ کو ساحر اور جادوگر کہنے لگے، روایات میں ہے کہ اس صحیفہ کے کاتب منصور بن عکرمہ کا ہاتھ شل ہوگیا۔

أخرجه البيهقي في دلائل النبوة (٣١٤/٢)

اس واقعہ سے مستفاد فوائد:

(۱) صبر کرنے پر اللہ کی مدد آتی ہے اور مصائب ومحن کی چکی میں پسنے کے بعد ہی آسائش اور راحت نصیب ہوسکتی ہے۔ ع

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

(۲) تمام مخلوقات اللہ کے زیر نگیں اور تابع فرمان ہیں ''وما یعلم جنود ربک إلا ہو''

(۳) دین کی حفاظت کے لئے خاندان والوں کی مدد لینا جائز ہے گرچہ انمیں سے کسی کا مذہب الگ اور عقیدہ مختلف ہو۔

(۴) اولیاء الشیطان دین اور اہل دین کی ہر طرح مخالفت کرتے ہیں۔

(۵) مشرکین مکہ باہمی نزاع اور چپقلش کے باوجود بھی اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ آرائی میں ایک دوسرے کے ہمراہ اور شانہ بشانہ رہتے تھے۔

(۶) معجزات اور نشانیاں کور مغز باطل پرستوں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتیں۔

تجھے حادثات پیہم سے بھی کیا ملے گا ناداں
ترا دل اگر ہو زندہ تو نفس بھی تازیانہ

کشت ویراں کے مقابلہ میں امید کا گلدستہ رکھئے

(اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے مدینہ ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے دو ساتھیوں عیاش بن اَبی ربیعہ اور ہشام بن العاص سے کہ وہ بھی ہجرت کا ارادہ رکھتے ہیں، مقام ''تناضب'' میں بنوغفار کے چشمہ کے پاس ملنے کا وعدہ کیا اور طے یہ پایا کہ صبح ہم میں سے جو بھی وہاں وقت پر نہ پہنچ سکے سمجھ لیا جائے گا کہ وہ پکڑا گیا اور باقی دونوں روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور عیاش تو مقررہ وقت پر مقام تناضب پہنچ گئے لیکن ہشام کو گرفتار کر لیا گیا اور اتنا ستایا گیا کہ وہ مرتد ہو گئے، بہرحال ہم دونوں کسی طرح مدینہ پہونچے اور قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا، ادھر جب یہ خبر مکہ پہونچی تو عیاش کے چچازاد بھائی ابوجہل اور حارث مدینہ کو روانہ ہوے، ابھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے، ادھران دونوں نے مدینہ آکر عیاش کو ورغلایا اور کہا کہ تمہاری ماں نے یہ نذر مانی ہے کہ جب تک تمہیں نہ دیکھے گی نہ بالوں کو کنگھی کرے گی نہ دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ میں آئے گی، لہٰذا تم ہمارے ساتھ چلو، انہوں نے اپنی ماں کا جو یہ حال سنا تو بے چین ہو گئے اور فوراً واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے میں نے سمجھانا چاہا کہ دیکھو یہ لوگ تمہیں ورغلا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں، تمہاری ماں کو جوئیں پریشان کریں گی تو وہ خود کنگھی کرنے پر مجبور ہو جائیں گی اور مکہ کی ناقابل برداشت گرمی ستائے گی تو لامحالہ سایہ میں آنا ہی پڑیگا، تم خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہو، لیکن وہ جانے پر مصر رہے اور کہا میں اپنی والدہ کو حانث نہ ہونے

دوں گا، پھر وہاں میرا کچھ مال اور سرمایہ بھی رہ گیا ہے وہ بھی لیتا آؤں گا، حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے پھر سمجھانے کی کوشش کی کہ دیکھو تمہیں معلوم ہے کہ میرا شمار قریش کے مالدار ترین لوگوں میں ہوتا ہے، تم ان کے ساتھ مت جاؤ میں اپنا آدھا مال تمہیں دے دوں گا لیکن وہ نہ مانے اور جانے کے لئے پوری طرح تیار ہو گئے، تب مایوس ہو کر میں نے کہا ''اچھا بھئی اگر جانا ہی ہے تو میری یہ اونٹنی لیتے جاؤ، یہ بڑی ہی تیز رفتار اور فرمانبردار ہے، اگر تمہیں کہیں خطرہ محسوس ہو تو اسے ہنکا دینا، ان کے ہاتھوں بآسانی بچ نکلو گے۔

حضرت عیاش اونٹنی لیکر ان لوگوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے، راستہ میں ابوجہل نے ان سے کہا ''بھائی! میری اونٹنی کچھ تھکی تھکی معلوم ہوتی ہے، اگر ہو سکے تو مجھے اپنی اونٹنی پر سوار کرلو'' وہ فوراً راضی ہو گئے اور اپنی اونٹنی بٹھادی، جیسے ہی وہ نیچے اترے ابوجہل اور حارث نے انہیں پکڑ کر باندھ دیا اور انہیں لیکر مکہ پہونچے، وہاں ان پر اتنے مظالم ڈھائے کہ مجبور ہو کر انہوں نے پھر اپنا پرانا دین قبول کرلیا۔

حضرت عمر فرماتے ہیں ''ہم یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ مرتد ہو گئے اب کبھی ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور وہ لوگ خود بھی اپنے بارے میں یہی سمجھتے تھے''۔ حتی کے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور یہ آیت نازل ہوئی **"قل یا عبادی الذین اسرفوا علی أنفسهم... الآیة"**

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندوں جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم خدا کی رحمت سے مایوس و ناامید مت ہو بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرمادیگا واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے، اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور (اسلام قبول کرنے میں) اس کی فرمانبرداری کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب (الٰہی) واقع ہونے لگے (اور) پھر (اس وقت کسی کی طرف سے) تمہاری

کوئی مدد نہ کیجاوے اور تم (کو چاہئے کہ) اپنے رب کے پاس آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آپڑے اور تم کو (اس کا) خیال بھی نہ ہو۔

میں نے یہ آیتیں لکھ کر ہشام بن العاص کے پاس بھیج دیں، حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ جب یہ آیتیں میرے پاس پہونچیں تو میں نے انہیں سمجھنے کی بہت کوشش کی، کبھی سیدھا کر کے پڑھتا کبھی ٹیڑھا کر کے، کبھی کسی زاویہ سے پڑھنے کی کوشش کرتا، کبھی کسی زاویہ سے لیکن بات بنی نہیں، سمجھ میں خاک نہیں آیا، پھر میں نے پریشان ہو کر اللہ سے دعا کہ کہ اے میرے مولیٰ! ان آیتوں کا صحیح مفہوم مجھے سمجھا دیجئے، چنانچہ اللہ نے میرا سینہ کھول دیا اور میں سمجھ گیا کہ یہ آیتیں ہم ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اس لئے کہ ہم ہی لوگ یہ کہتے تھے کہ اللہ ہمیں کبھی معاف نہ کریگا۔

سمجھے تھے سیہ کاری اپنی ہے فزوں حد سے
دیکھا تو کرم تیرا اس سے بھی سوا پایا

حضرت ہشام فرماتے ہیں کہ ان آیتوں کو سمجھنے کے بعد بلا تاخیر میں نے سامان درست کیا اور فوراً اللہ کے رسول کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔

رگ و پے سے جب ٹپکے زہر غم تب دیکھئے کیا ہو
ابھی تو تلخئ کام و دہن کی آزمائش ہے

رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ (۴۶۱/۲، ۴۶۲)

مندرجہ بالا واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) راہ خدا سے روکنے کے لئے مشرکین مکہ مکر و فریب اور حیلہ سازی و چالبازی سے

بھی کام لیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عمرؓ بڑے دوراندیش اور دوربیں تھے۔

(۳) دشمن کے حیلوں کو پہچاننا اوران سے محتاط رہنا مومن کی ذمہ داری ہے۔

(۴) ایک مومن کو دوسرے مومن کا اتنا خیرخواہ اور ہمدرد ہونا چاہئے کہ اس کے لئے بڑی سے بڑی چیز قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔

(۵) علمی مسائل کے حل کے لئے بھی اللہ سے رجوع کرنا چاہئے۔

(۶) دعوت کے میدان میں بڑی مشکلات اور رکاوٹیں ہیں جن پر قابو پاکر آگے بڑھنا اوراپنے مشن کو جاری رکھنا ایک سچے مومن کی ذمہ داری ہے۔ ؎

دلیرانہ بڑھا کشتی نہ گھبرا موج طوفاں سے

جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا ''مجھے وہ مقام دکھایا گیا ہے جہاں تم کو ہجرت کر کے جانا ہے، وہ دو حروں (کالے پتھر والی زمین) کے درمیان واقع دلدلی علاقہ ہے، وہ یا تو ہجر ہے یا پھر یثرب''۔

پھر کچھ دنوں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ کے لئے نکل گئے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا چاہتا تھا لیکن قریش کے کچھ اوباشوں نے مجھے قید کر لیا اور میں جا نہ سکا۔ میں اس رات بار بار قضاء حاجت کو جاتا رہا، یہ دیکھ کر جو لوگ میری پہریداری پر مامور تھے مطمئن ہو گئے اور کہا کہ یہ بیچارہ اس حالت میں کہاں جائیگا، خود ہی اپنے پیٹ سے پریشان ہے، بیکار اس کی پہریداری کرتے ہو، یہی باتیں کرتے کرتے وہ لوگ سو گئے کیونکہ وہ لوگ میری طرف سے بالکل مامون تھے کہ یہ اس بیماری کی حالت میں بھاگ نہیں سکتا، حالانکہ مجھے بیماری کچھ نہ تھی، میں تو یوں ہی بہانہ کر رہا تھا، انہیں سوتا دیکھ کر چپکے سے کھسک لیا لیکن ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ ان لوگوں نے آ پکڑا اور واپس لیجانے کی کوشش کرنے لگے، میں نے ان سے کہا کہ اگر میں تمہیں اتنے اوقیہ سونا دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟ ان لوگوں نے کہا ''ہاں! بالکل چھوڑ دیں گے'' میں ان کے ساتھ مکہ تک گیا اور ایک دروازے کے پاس پہنچ کر ان سے کہا ''اس دروازہ کی دہلیز کے نیچے سونا دفن ہے، کھود کر نکال لو اور فلاں شخص سے جا کر میرے دو جوڑے بھی لے آؤ'' انہیں مال کا پتہ بتا کر

میں مدینہ کے لئے روانہ ہوگیا۔

قباء میں میری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں قیام فرماتے تھے مجھے دیکھا تو فرمایا ''ابو یحییٰ! مبارک ہو بڑے نفع کا سودا کیا'' میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے آپ کے پاس کوئی نہیں پہونچا، یقیناً آپ کو حضرت جبریل نے اس وقعہ کی اطلاع دی ہے'' رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔ أخرجه البیهقی فی دلائل النبوۃ (۲/۵۲۲، ۵۲۳)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ دروس وفوائد:

(۱) مومن کو اس کے دین، اہل وعیال، مال واولاد اور جاگیر وجائیداد مختلف ذریعوں سے آزمایا جاتا ہے۔

(۲) جو اللہ کے لئے کسی چیز سے دست بردار ہوجائے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔

(۳) مال انسان کو بڑا عزیز ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ عزیز اسے اپنا عقیدہ اور اپنا مذہب ہونا چاہیے۔

(۴) انسان کو ہر اس چیز سے اجتناب اور گریز کرنا چاہئے جو اس کے دین کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو۔

(۵) اعمال صالحہ کے ذریعہ اللہ کے ساتھ تجارت کرنا، دنیوی اور اخروی دونوں حیثیتوں سے فائدہ کا سودا ہے۔

متاع وصل جاناں بس گراں است
گراں سودا بہ جاں بودے چہ بودے

(۶) اللہ کی راہ میں قربانی فلاح وکامیابی کی ضامن ہے۔

(۷) راہ خدا میں محبوب سے محبوب ترین چیز قربان کر کے ہی بندہ خدا کی نگاہ میں کوئی مقام پاسکتا ہے۔لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

(۸) اس واقعہ سے ہمیں حضرت صہیب رومیؓ کی ایمانی قوت اوران کی فضیلت کا بھی علم ہوتا ہے۔

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لئے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں سمجھدار ہوئی میں نے اپنے والدین کو مسلمان دیکھا، اللہ کے رسول صلعم کا یہ معمول تھا کہ روزانہ صبح وشام ہمارے گھر تشریف لاتے تھے، جب مکہ کے اندر مسلمانوں کا جینا دوبھر ہوگیا تو میرے والد ہجرت کے ارادہ سے حبشہ کے لئے نکلے لیکن ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ راستہ میں بنو قارہ کے سردار ''ابن الدغنہ'' سے ملاقات ہوگئی، اس نے پوچھا ''ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' حضرت ابوبکرؓ نے سادگی سے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے شہر سے نکال باہر کیا ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں گھوم پھر کر اپنے مالک کی عبادت کروں'' ابن الدغنہ نے حیرت سے پوچھا ارے ابوبکر! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ جیسا اچھا آدمی نہ شہر سے باہر جاسکتا ہے اور نہ اسے وہاں سے کوئی نکال سکتا ہے، آپ ناداروں کے لئے سہارا، احباب واعزا کے لئے رحمت، مجبوروں کے لئے آسرا، مہمانوں کے لئے سراپا ضیافت وسخاوت اور مصیبت زدگان کے لئے مسیحا ہیں، میں آپ کو پناہ دوں گا، دیکھیں کس کے اندر ہمت ہے جو آپ کو باہر نکال دے، چلئے چلئے، واپس چلئے اور وہیں اپنے رب کی عبادت کیجئے، حضرت ابوبکر اس کی درخواست پر واپس گھر آگئے، اسی شام ابن الدغنہ رؤساء قریش کے پاس گئے اور ان کے سامنے حضرت ابوبکر کے اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنے کے بعد بولے ''بھلا ایسے اچھے انسان کو شہر بدر کیا جاتا ہے! میں خود اس کو پناہ دیتا ہوں، قریش کے لوگ ابن الدغنہ کے اثر ورسوخ کی وجہ سے کچھ بول نہ سکے لیکن اتنا ضرور کہا کہ آپ ابوبکر سے

کہہ دیجئے، وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے، گھر میں جتنی چاہے نمازیں پڑھے جتنا قرآن پڑھے لیکن اس کا اعلان کر کے ہمیں شرمندہ اور رسوا نہ کرے ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارے بیوی بچے اس کے دام فریب میں آ کر گمراہ نہ ہو جائیں۔

ابن الدغنہ نے ان کی یہ بات حضرت ابوبکرؓ کو پہنچادی، حضرت ابوبکرؓ نے کچھ دنوں تو ان باتوں پر عمل کیا لیکن پھر ع

آؤ میخانہ چلو تم کس کی باتوں پر گئے

اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا ڈالی اور وہیں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرنے لگے، جب وہ عبادت میں مشغول ہوتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے بڑی دلچسپی اور شوق کے ساتھ اس روح پرور منظر کو دیکھتے اور خوش ہوتے، حضرت ابوبکرؓ بڑے رقیق القلب تھے، جب قرآن پڑھتے تو آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری ہو جاتا، مشرکین مکہ کے اہم خاندان کی اس کیفیت کو دیکھتے تو اور متاثر ہوتے، رؤساء قریش کو جو یہ بات معلوم ہوئی تو بڑے گھبرائے اور فوراً ابن الدغنہ کو بلا کر کہا "ہم نے ابوبکر کو آپ کے کہنے کی وجہ سے اس شرط پر مکہ میں قیام کی اجازت دی تھی کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی اپنے رب کی عبادت کرے گا لیکن اس نے بات نہ مانی اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنا کر وہاں علی الاعلان نماز اور تلاوت شروع کر دی، ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے گمراہ نہ ہو جائیں، لہٰذا آپ اس کو منع فرما دیجئے اگر وہ اپنے گھر کے اندر اپنے خدا کی عبادت کرنا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر وہ علی الاعلان عبادت کرنے پر بضد رہے تو آپ اسے اپنی پناہ سے محروم کر دیجئے، اس لئے کہ ہم آپ کے ساتھ بدعہدی کرنا بھی نہیں چاہتے اور اسے علانیہ عبادت کرنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور رؤساء قریش

کی پوری بات کہہ کر انہیں اختیار دے دیا کہ چاہیں تو یہیں رہ کر اپنے گھر میں عبادت کریں اور اگر چاہیں تو ان کی حمایت و پناہ سے نکل جائیں، حضرت ابوبکر نے اسی دوسری تجویز کو پسند کیا اور فرمایا، مجھے تیری حفاظت کی چنداں ضرورت نہیں، اللہ کی حمایت کافی ہے۔

احسان ناخدا کے اٹھائے میری بلا
کشتی خدا پہ چھوڑ دوں لنگر کو توڑ دوں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان ہی دنوں ایک روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "لوگو! مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی ہے، وہ دو حروں (کالے پتھروں والی زمین) کے درمیان واقع کھجوروں والا علاقہ ہے" پھر ہجرت کی اجازت ملی تو مسلمان مدینہ جانے لگے، جو لوگ پہلے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے انہیں سے بھی اکثر مدینہ چلے آئے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی مدینہ جانے کی تیاری شروع کر دی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا "ابوبکر! ذرا انتظار کرو، امید ہے کہ مجھے بھی جلد ہی ہجرت کی اجازت مل جائے گی، حضرت ابوبکر نے بے تابی سے پوچھا "اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا آپ کو واقعی اس کی امید ہے" آپ نے فرمایا "ہاں" حضرت ابوبکر اس بابرکت سفر میں آپ کی رفاقت کی خواہش میں رک گئے اور چار مہینہ تک بے صبری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملنے کا انتظار کرتے رہے، اس مدت میں انہوں نے اس سفر کے لئے دو سواریاں بھی تیار کر لیں، بالآخر وہ دن آ ہی گیا کہ ع

دن گنے جاتے تھے جس دن کے لئے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سخت گرمی کا موسم تھا اور ہم لوگ گھر میں بیٹھے ہوتے تھے کہ اچانک ایک آدمی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا "وہ دیکھئے! اللہ کے رسول تشریف لاتے

ہیں'' جبکہ دوپہر کے وقت آپ کا ہمارے ہاں آنے کا معمول نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ کوئی غیر معمولی بات پیش آئی ہے، چنانچہ فرمایا کہ میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کسی بہت ہی اہم کام سے آئے ہیں۔

اتنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اجازت چاہی جو فوراً مل گئی، آپ اندر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا'' جو لوگ یہاں موجود ہیں انہیں ذرا کچھ دیر کے لئے باہر کردو'' حضرت ابوبکرؓ نے بڑے ادب سے عرض کیا'' اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کوئی غیر نہیں، سب آپ ہی کے گھر والے ہیں، جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ کوئی غیر نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی، حضرت ابوبکرؓ سے رہا نہ گیا فوراً پوچھا'' غلام کو رفاقت و معیت میسر رہے گی'' آپ نے فرمایا'' ضرور'' حضرت ابوبکرؓ کو تو گویا ان کے دل کی مراد مل گئی ہو فوراً عرض کیا'' اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ دو سواریاں ہیں ان میں سے کوئی ایک آپ لے لیجئے'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت دینے کی شرط پر قبول فرمالیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'' اس کے بعد ہم نے جلدی جلدی جو کچھ بھی ہم سے بن پڑا تیار کر کے ایک تھیلے میں رکھ دیا، اس تھیلہ کو باندھنے کے لئے جب نہ کچھ ملا تو حضرت اسماء نے اپنا پٹکا کاٹ کر اس کا منہ باندھ دیا، اسی سبب سے انکا لقب ذات النطاق (پٹکے والی) پڑا، پھر اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ مکہ کے قریب ثور نامی غار میں جا چھپے جہاں انہوں نے تین دن قیام کیا، حضرت ابوبکرؓ کے لائق و ہوشمند فرزند حضرت عبداللہ مکہ میں ہونے والی چہ میگوئیاں سنتے اور جب اندھیرا ہو جاتا تو ساری خبریں لیکر پہونچتے اور تفصیل سے ایک ایک بات بتاتے، پھر رات بھر ان ہی کے ساتھ رہتے اور اجالا ہونے سے پہلے ہی صبح تڑکے نکل جاتے، کسی کو کان و کان خبر تک نہ ہوتی، سب یہی

سمجھتے کہ یہ رات بھر مکہ ہی میں تھا، اس طرح ایک طرف یہ خبر رسانی کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف حضرت ابوبکرؓ کا غلام عامر بن فہیرہ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد بکریاں لیکر آتا جن کا دودھ پی کر یہ دونوں حضرات رات گزارتے، تین دن تک یہی سلسلہ قائم رہا اور چوتھے روز بنوالدیل کا ایک آدمی جس سے پہلے ہی بات ہوگئی تھی سواریاں لیکر وہاں پہونچ گیا، یہ ایک ماہر رہبر تھا جو تمام راستوں سے خواب واقف تھا، اس کی رہبری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور عامر بن فہیرہ کا یہ تین نفری قافلہ ساحل کے راستہ روانہ ہوا۔

ادھر جب مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکل جانے کی اطلاع ہوئی تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور قریش نے آپ کو پکڑ لانے پر سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کر دیا، چنانچہ پوری شد و مد کے ساتھ آپ کی تلاش شروع ہوگئی، ابن شہاب سراقہ بن مالک بن جعشم کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ سراقہ نے خود بیان کیا ''قریش کے قاصد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو زندہ یا مردہ پکڑ لانے کے لئے سو اونٹ انعام کا اعلان کرتے ہوئے ہمارے پاس سے گزرے، تھوڑی ہی دیر بعد ہماری قوم بنومدلج کا ایک آدمی آیا اور مجھ سے کہا ''اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحل پر کچھ انسانی سایوں کو حرکت کرتے دیکھا ہے، میرا خیال ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی ہی ہیں'' سراقہ کہتا ہے کہ میں سمجھ تو گیا کہ وہ وہی ہیں لیکن اس خیال سے کہیں دوسرے لوگ بھی ان کی تلاش میں نہ نکل پڑیں صاف انکار کر دیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھی نہیں بلکہ فلاں فلاں لوگ ہیں جو ابھی ابھی ہمارے سامنے ہی سے گئے ہیں، پھر کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد میں مجلس سے اٹھا اور سیدھا گھر کا رخ کیا، گھر پہونچ کر لونڈی کو حکم دیا کہ فوراً میرا گھوڑا لیکر ٹیلے کی اوٹ میں چلی جائے اور وہیں میرا انتظار کرے، پھر کچھ دیر بعد میں نیزہ لیکر گھر کے

عقبی دروازہ سے چھپتے چھپاتے نکلا اور ٹیلے کے پیچھے پہنچ کر گھوڑے پر بیٹھا اور ایڑ لگا دی، بس پھر کیا تھا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا اور کچھ ہی دیر میں ان کو جا لیا لیکن جوں ہی میں ان کے قریب ہوا گھوڑے کو ایک زبردست ٹھوکر لگی اور میں نیچے آ گرا لیکن میں ہمت نہ ہارا، اٹھا اور ترکش سے فال کا تیر نکالا جو نا موافق نکلا، اس کے باوجود بھی میں نے تیر کی بات نہ مانتے ہوئے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا لیکن اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، جوں ہی میں ان کے قریب ہوا گھوڑے کو ایسی زبردست ٹھوکر لگی کہ گھٹنے تک اس کے پیر زمین میں دھنس گئے اور میں زمین پر آ گرا، پھر ہمت کر کے کھڑا ہو گیا، اور گھوڑے کو کھڑا کرنے کی کوشش کی، جیسے ہی اس نے زمین سے پیر نکالے دھوئیں کی مانند وہاں سے غبار بلند ہوا اور آسمان میں پھیل گیا، یہ دیکھ کر میں نے پھر تیر سے فال نکالا اور جب اس مرتبہ بھی جواب ''نا'' میں نکلا تو میں نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے اطمینان دلا کر رکنے کی درخواست کی جس کو انہوں نے قبول کر لیا، میں گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہونچا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے اس غیبی انتظام کو دیکھ کر یہ یقین ہو چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور کامیابی حاصل ہوگی، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا'' آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کے اوپر سو اونٹوں کا انعام رکھا ہے اور آپ کے متعلق ان کے ارادے نیک نہیں ہیں'' پھر میں نے آپ کی خدمت میں زاد سفر اور کچھ سامان پیش کیا جو آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مجھ سے صرف اس واقعہ کو مخفی رکھنے کی درخواست کی، اس کے بعد میں نے آپ سے گزارش کی کہ میرے لئے امن کا پروانہ لکھ دیجئے۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امن کا پروانہ لکھ کر مجھے دیدیا پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے۔

حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ راستہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

ملاقات حضرت زبیرؓ سے ہوئی جو مسلمان تاجروں کے ایک قافلہ کے ہمراہ شام سے آرہے تھے، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو سفید کپڑے دیئے، ادھر مدینہ میں مسلمانوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کی خبر ہو چکی تھی، وہ ہر صبح مدینہ سے باہر نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے اور جب دھوپ اور گرمی سے پریشان ہو جاتے تو واپس چلے جاتے، چنانچہ ایک روز جب طویل انتظار کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے تو ایک یہودی کو جو اپنے کسی کام سے اپنے قلعہ کی چھت پر چڑھا تھا سفید کپڑوں میں ملبوس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نظر آگئے، اس نے فوراً باآواز بلند اعلان کیا "اے عربو! وہ دیکھو جس کا تمہیں انتظار تھا آرہا ہے"۔

اے جوش کھول آنکھیں وہ کوئی آرہا ہے
ذروں پہ سر جھکا دے غرق گداز ہو جا

یہ صدا سنتے ہی مسلمانوں نے جلدی جلدی اپنے ہتھیار سنبھالے اور مدینہ سے باہر نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرجوش استقبال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر دائیں طرف مڑ گئے اور قبیلۂ عمرو بن عوف میں قیام کیا، یہ دو (۲) ربیع الاول کا واقعہ ہے۔

وہاں اللہ کے رسول خاموش بیٹھے رہے اور حضرت ابوبکرؓ آنے والوں سے ملنے کے لئے کھڑے ہو گئے، چنانچہ جو بھی انصاری آتا وہ حضرت ابوبکر ہی کو سلام کرتا اور سمجھتا کہ یہی اللہ کے نبی ہیں، کچھ دیر بعد جب دھوپ تیز ہو گئی تو حضرت ابوبکر نے اپنی چادر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر دیا، تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ کے رسول قبیلہ عمرو بن عوف میں کئی روز مقیم رہے اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی جس کو قرآن کریم نے اُسس علی التقویٰ (تقویٰ کی اساس پر قائم کردہ مسجد) کی سند دی ہے، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہو

کر روانہ ہوئے، لوگ پا پیادہ آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کے کھجور کے کھلیان کے پاس جا کر بیٹھ گئی، اس وقت وہاں مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِن شاء اللہ یہی منزل رہے گی''۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں بچوں کو بلایا اور ان سے مسجد کے لئے زمین خریدنے کی بات کی، انہوں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں اس کی قیمت نہیں چاہئے ہم بخوشی آپ کو یہ زمین مسجد کے لئے ہبہ کرتے ہیں، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیۃً قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قیمت دیکر وہ زمین خرید لی، پھر وہاں مسجد نبوی کی بنا رکھی جس کی تعمیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک رہے، آپ اینٹیں پہونچاتے تھے اور مسلمان آپ کی پیروی کرتے تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

اللهم إن الأجر أجر الآخرة فارحم الأنصار والمهاجرة

(اے اللہ اصل اجر تو آخرت کا اجر ہے، پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما)۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ احادیث میں اس کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل شعر پڑھنے کا تذکرہ نہیں ملتا۔ أخرجه البخاری ٤/ ٤٧٥-٤٧٦)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ نتائج:-

(۱) پہلے حتی المقدور اسباب اختیار کرنے چاہئیں پھر معاملہ اللہ کے سپرد کرنا چاہئے۔

(۲) زیارت اور ملاقات کے لئے مناسب وقت کا انتخاب کرنا چاہئے خواہ کتنے ہی قریبی عزیز کے ہاں جانا ہو۔

(۳) قیمت کے بغیر یوں ہی منت سواری قبول کرنا عزت نفس کے خلاف ہے۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر معمولی محبت کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے بڑے فکر مند رہتے تھے۔

(۵) آدمی کو اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہئے۔

(۶) خیانت اور بدعہدی قابل پرہیز بیماری ہیں۔

(۷) علماء کے ساتھ ادب اور خدمت کا معاملہ ہونا چاہئے۔

(۸) کسی حکومت یا مملکت کے قیام میں مسجد کی تعمیر کی سب سے پہلے فکر کرنی چاہئے۔

(۹) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم متواضع اور منکسر المزاج تھے کہ مدینہ میں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان نہ سکے۔

(۱۰) جن اسباب کو اختیار کرنے کی قدرت نہ ہو انہیں اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے، اسی طرح جو اسباب اختیار کئے ہیں ان کے نتائج اللہ ہی کے حوالہ کئے جانے چاہئیں۔

(۱۱) اللہ کے نبی صلعم کا استقبال گانے بجانے اور ڈھول تماشہ کے ساتھ نہیں بلکہ شمشیر و سنان اور تیغ وزن کے ساتھ ہوا تھا۔

تھا وہ بھی زمانہ اے عامرؔ بازو تھے ہمارے تیغ وسناں
اب تیغ وسناں کی صورت کو دیکھنے سے پسینہ آتا ہے

(۱۲) ایک کامیاب قائد ہر قسم کے کاموں میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ شریک رہتا ہے۔

(۱۳) اس واقعہ سے ہمیں حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت اور فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۴) مسلمان غلبہ اور مغلوبیت دونوں صورت میں عہد کے پابند ہوتے ہیں۔

(۱۵) منصب کا بیجا استعمال نہیں کرنا چاہئے بالخصوص دعوت کے ابتدائی مرحلہ میں، مبادا لوگ بدظن ہو جائیں گے جس کا اثر اس کے دعوتی مشن پر پڑے۔

کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ابورہم السماعی سے مروی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا ''جب اللہ کے رسول صلعم ہمارے گھر فروکش ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیریں منزل میں قیام کو پسند فرمایا چنانچہ میں اور ام ایوبؓ بالائی منزل میں منتقل ہوگئے، ایک روز میں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے آپ سے اوپر رہنا بے ادبی معلوم ہوتا ہے، لہٰذا آپ اوپر تشریف لے آیئے اور ہم نیچے آجاتے ہیں''۔

آپ نے فرمایا ''اے ایوب! ہمارے اور ہمارے پاس آنے والوں کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے کہ ہم نیچے ہی رہیں'' حضرت ابوایوب فرماتے ہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق بالائی منزل ہی میں مقیم رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے قیام کو ترجیح دی، ایک روز اتفاقاً ہمارا پانی سے بھرا ایک مٹکا ٹوٹ گیا، ہم لوگ بڑے گھبرائے اور اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کے قطرات نیچے نہ پہونچ جائیں جلدی جلدی اپنے لحاف سے اسے پونچھنے لگے، ہمارے پاس گھر میں وہی ایک واحد لحاف تھا جو ہم نے پانی جذب کرنے میں استعمال کرلیا۔

حضرت ابوایوب فرماتے ہیں ہم روزانہ شام کا کھانا تیار کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے، جب اسمیں سے کچھ واپس آتا تو میں اور ام ایوبؓ برکت کے لئے قصداً تلاش کر کے اس جگہ سے کھانا کھایا کرتے تھے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا نشان ہوتا، چنانچہ ایک روز معمول کے مطابق ہم نے کھانا بھیجا، اس

روز ہم نے کھانے میں پیاز اور لہسن بھی استعمال کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بغیر کھائے یوں ہی واپس کر دیا، میں گھبرایا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ''اے اللہ کے رسول، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا بغیر کھائے ہی واپس فرمایا کیا یہ حرام ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں! حرام تو نہیں ہے لیکن میں ناپسند کرتا ہوں، اس لئے کہ میرے پاس فرشتے آتے ہیں، اور اس کی بو سے انہیں تکلیف ہوتی ہے، تم لوگوں کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں'' حضرت ابو ایوبؓ نے عرض کیا ''جو چیز آپ کو ناپسند ہو وہ مجھے بھی پسند نہیں ہے''

جبیں وقف ہو جائے جاناں کی خاطر
یہ توشہ ہے عمر گریزاں کی خاطر

مندرجہ بالا قصہ سے اخذ کردہ نتائج:-

(۱) حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر اللہ کے رسول صلعم کا قیام ان کی افضلیت ومنقبت کی واضح دلیل ہے۔

(۲) اللہ کے رسول صلعم کے لئے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے دل میں غیر معمولی ادب واحترام کے جذبہ سے ہمیں اہل علم وفضل کے ساتھ ادب و نیاز مندی کا معاملہ کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔

(۳) صحابہ کرام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی محبت وعقیدت رکھتے تھے، امام نووی فرماتے ہیں ''ایک سچے عاشق کی علامت یہ ہے کہ محبوب کی پسند وناپسند اس کی پسند وناپسند بن جائے۔ ع سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

(۴) مہمان کو میزبان کی سہولت کا خیال رکھنا چاہئے اسی طرح میزبان کو بھی مہمان کے راحت وآرام کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔

(۵) اکثر صحابہ کرامؓ کی زندگی عسرت وتنگدستی میں بسر ہوئی۔

(۶) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خیر وبرکت کا سرچشمہ تھی۔

(۷) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیاز اور لہسن کے جائز ہونے کے باوجود اس سے پرہیز کرتے تھے۔

(۸) ملائکہ کا ادب ملحوظ رکھنا چاہئے نیز انہیں تکلیف دینے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

(۹) ایک اعلیٰ ظرف اور فراخ دل انسان کھانے پینے کے بعد برتن میں کچھ چھوڑ دیتا ہے، امام نوویؒ نے علماء کرام سے نقل کیا ہے کہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ مہمان کے کھانے پینے کے بعد برتن میں کچھ چھوڑ دے بالخصوص جبکہ میزبان سب کچھ لاکر سامنے رکھ دیا ہو۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

حضرت انسؓ فرماتے ہیں ''عبداللہ بن سلام ایک روز اپنے کھیت میں کام کر رہے تھے کہ انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے کی خبر ملی، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا'' میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں جن کا علم صرف نبی ہی کو ہوسکتا ہے، ایک تو یہ کہ قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہوگی؟ دوسری یہ کہ جنت والے سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ اور تیسری یہ کہ بچہ کبھی ماں اور کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہوتی ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے ابھی ابھی جبرئیل امین ان تینوں سوالوں کے جواب بتائے ہیں'' عبداللہ بن سلام نے تعجب سے پوچھا'' جبرئیل نے!'' آپ نے فرمایا ''ہاں! وہی جبریل جس سے یہودیوں کو دشمنی ہے'' پھر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی " من كان عدوا لجبريل فإنه نزله على قلبك بإذن الله "۔ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبریل کا مخالف ہے تو انہوں نے اس (قرآن) کو آپ پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا'' دیکھو قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ کی شکل میں ظاہر ہوگی جو مشرق سے نکلے گی اور لوگوں کو مغرب کی طرف لے جائے گی، اسی طرح جنت والے سب سے پہلے مچھلی کے جگر کا ابھرا ہوا حصہ کھائیں گے اور جہاں تک بچہ کے ماں اور باپ کے مشابہ ہونے کا سوال ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ کبھی مرد کا نطفہ عورت کے مادہ منویہ

پر غالب آجاتا ہے تو بچہ مرد یعنی باپ کے مشابہ ہوجاتا ہے اور کبھی عورت کا مادہ غالب آجاتا ہے تو بچہ ماں کے مماثل ہوجاتا ہے'' حضرت عبداللہ بن سلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جواب سن کر فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگئے، پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! بہتان تراشی اور افشا پردازی یہودیوں کی شرست میں داخل ہے، اگر انہیں پہلے ہی میرے اسلام لانے کی خبر ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر وہ مجھ پر طرح طرح کے الزام لگائیں گے، لہٰذا! ابھی یہ بات ان سے مخفی ہی رہے تو بہتر ہے، اتنے میں کچھ یہودی آگئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''ارے بھئی! تم لوگ عبداللہ بن سلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ وہ کیسے آدمی ہیں؟ ان لوگوں نے فوراً جواب دیا کہ وہ تو ہمارے آقا اور آقازادہ ہیں، یہی نہیں بلکہ وہ ہمارے درمیان سب سے زیادہ شریف اور عالی نسب بھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر وہ ایمان لے آئیں تو؟'' انہوں نے فوراً جواب دیا ''نعوذ باللہ اللہ ان کو محفوظ رکھے'' اتنے میں عبداللہ ابن سلام نکل کر سامنے آگئے اور ان کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان کیا، یہ سنتے ہی وہ سب بیک زبان بولے ''یہ بدترین انسان ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں'' حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اسی کا اندیشہ تھا'' رضی اللہ عنہ وأرضاہ

(أخرجہ البخاری فی صحیحہ (۷/ ۳۹۳۸)

درج بالا واقعہ سے مستفاد فوائد:

(۱) یہودی حضرت جبریل سے دشمنی رکھتے تھے کیونکہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے پیغام حق لاتے تھے۔

(۲) قیامت کے قریب ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو مغرب کی طرف لے جائے گی۔

(۳) اہل جنت کی ضیافت سب سے پہلے مچھلی کے جگر کے ابھرے ہوئے حصہ سے ہوگی۔

(۴) اللہ کی نشانیوں سے صرف مومنین ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۵) کلمہ شہادت پڑھنے والا مسلمان ہے۔

(۶) بچہ کے والدین کے مشابہ ہونے کا سبب مرد یا عورت میں کسی کا مادہ منویہ کا غلبہ ہوتا ہے۔

(۷) مومن کو فریق مخالف کی چالوں سے محتاط اور اس کو قائل کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

ادھر حکم پیغمبر ہوا، ادھر گردن جھکا دی

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں ''جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے شام سے آنے کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مقابلہ کا ارادہ فرمایا اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ دیکھو! شام سے قریش کا تجارتی قافلہ آرہا ہے جس میں خاصا اسباب ہے، ہمیں ان کا راستہ روکنا ہے، صحابہ کرام فوراً تیار ہو گئے، ادھر یہ نکلے اور ادھر ابوسفیان کو ان کی روانگی کی خبر ہو گئی، اس نے فوراً قریش سے مدد طلب کرنے کیلئے ضمضم بن عمرو الغفاری نامی ایک شخص کو مکہ کی طرف دوڑایا، جب قریش کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے پورے زور وشور کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی اور بہت تیزی کے ساتھ ایک لشکر جرار لیکر مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔

قریشی نسل کے مردان جنگی سربکف ہو کر
بڑھے گھوڑے پہ یا اونٹوں پہ چڑھ کر صف بہ صف ہو کر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی کہ قریش کا یہ زبردست لشکر روانہ ہو چکا ہے تو آپ نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ فرمایا اور لشکر کفار سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں ان کی رائے دریافت کی، سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر آپ کو اپنی جانثاری اور حمایت کا یقین دلایا، آپ نے دوبارہ رائے طلب فرمائی، اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر اپنی وفا شعاری اور جانثاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تائید و حمایت کا وعدہ کیا، پھر جب تیسری مرتبہ بھی آپ نے یہی دریافت فرمایا تو حضرت مقداد

بن عمرو کھڑے ہو گئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لئے نکل پڑیئے، ہم ہر طرح سے آپ کے ساتھ ہیں، ہم قوم موسیٰ کا طرز عمل نہیں اختیار کریں گے جنہوں نے نبی سے کہا تھا "فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون" (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم تو دائیں، بائیں، آگے، پیچھے ہر چہار طرف سے آپ کی حفاظت کریں گے اور خدا کی راہ میں جان کی بازی لگا دیں گے۔

معاذ اللہ مثیل امت موسیٰ نہیں ہیں ہم
جہاں میں پیروان دین ختم المرسلین ہیں ہم
ہمارا فخر یہ ہے ہم غلامان محمد ہیں
ہمیں باطل کا ڈر کیا زیر دامان محمد ہیں
مسلمان کو ڈرا سکتے ہیں کب یہ نیزہ و خنجر
لڑیں گے سامنے ہو کر عقب پر دائیں بائیں ہم

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید دریافت پر انصار کو احساس ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے سخن ان ہی کی طرف ہے، چنانچہ سعد بن معاذؓ نے فوراً کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ شاید آپ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے اور آپ ہماری رائے جاننا چاہتے ہیں، یارسول اللہ! شاید آپ کو خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپ کے نصرت وحفاظت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کے نمائندہ کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ جدھر کا چاہیں ارادہ فرمالیں، جس سے چاہیں تعلقات استوار کرلیں اور جس سے چاہیں ختم کرلیں، ہمارے مال و دولت میں سے جو چاہیں لے لیں ہمیں آپ کے لینے سے خوشی ہی ہوگی، ہر حال میں آپ کی رائے کے تابع ہیں، خدا کی قسم اگر آپ برک

غماد (یمن کا ایک دور دراز علاقہ) تک بھی چلتے چلے جائیں گے تب بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ انمیں کوڈ پڑیں گے، ہم میں سے ایک بھی آدمی پیچھے نہیں رہے گا ان کی یہ پر جوش اور حوصلہ افزا تقریر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور خوشی سے دمکنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" چلو! اللہ کا نام لیکر نکل پڑو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں میں سے ایک نہ ایک جماعت پر قابو اور غلبہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور بخدا میں اس وقت بھی انمیں سے ایک ایک کی قتل گاہ دیکھ سکتا ہوں۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باتعین ایک ایک کے قتل ہونے کی جگہ بتائی، چنانچہ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی، ہر مقتول وہیں ملا جہاں آپ نے پہلے ہی نشاندہی فرمادی تھی۔

امام بخاری نے طارق بن شہاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ کو ایک مرتبہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے مقداد کا وہ مقام دیکھا ہے کہ اگر بڑی سے بڑی چیز کھو کر بھی وہ مقام مجھے حاصل ہو جائے تو مجھے گوارا ہے، ان کا اشارہ حضرت مقدادؓ کی اسی پر جوش تقریر کی جانب تھا، جسے سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت مطمئن اور مسرور ہوئے تھے۔

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ فوائد و دروس:-

(۱) اللہ کے رسول نے غزوہ بدر کے لئے نکلنے سے قبل انصار سے خوب اچھی طرح وفاداری و جاں نثاری کا عہد لے لیا اس لئے کہ ان ہی کی اکثریت تھی، پھر یہ کہ انہوں مدینہ سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت و حفاظت کا وعدہ نہیں کیا تھا لہٰذا ان سے پوچھ لینا ضروری تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت کی تائید و

حمایت حاصل کئے بغیر کسی مہم کا آغاز نہیں کرنا چاہئے بالخصوص جبکہ انہوں نے پہلے سے ہر موقع پر ساتھ دینے کا عہد نہ کیا ہو۔

(۲) کسی اہم کام سے پہلے ارباب حل وعقد سے مشورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۳) ایک پر جوش و پر خلوص تقریر سپاہیوں کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کر سکتی ہے۔

(۴) اس قصہ سے ہمیں حضرت ابو بکر و عمر اور مقداد و سعد رضی اللہ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(۵) انصاری صحابہ کی فضیلت و اہمیت اور ان کی قدر و منزلت کو واضح کرنے کے لئے یہ واقعہ کافی ہے۔

(۶) حضرت سعد بن معاذؓ بڑے سمجھدار اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج داں تھے۔

(۷) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو فتح کی پیشگی بشارت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ معنوی قوت فتح و شکست میں بڑا رول ادا کرتی ہے۔

(۸) مجاہدانہ کارناموں پر رشک و رقابت کا جذبہ صحابہ کرام کے تنافس فی الخیر کے جذبہ کا غماز ہے۔

(۹) حضرت مقدادؓ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں انبیائے سابقین کے حالات و واقعات کا علم تھا۔

(۱۰) دشمنوں کے قتل گاہ کی نشاندہی کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ ہے۔

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسبس بن عمرو کو ابوسفیان کے قافلہ کی جاسوسی پر مامور کیا، اس نے آ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے حالات سے آگاہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے صحابہ کرام سے فرمایا ''ہمیں کچھ کام ہے جس کے پاس سواری ہو وہ ہمارے ہمراہ چلے'' یہ سن کر کچھ ایسے لوگوں نے بھی اجازت چاہی جن کے جانور فی الوقت وہاں موجود نہ تھے بلکہ مدینہ کے پہاڑی علاقہ میں چرنے گئے تھے لیکن آپ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ صرف اسی کو چلنے کی اجازت ہے جس کے پاس جانور موجود ہیں، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب روانہ ہوئے اور مشرکین سے پہلے مقام بدر پر پہونچ گئے، جب مشرکین مکہ کا لشکر بالکل قریب آ گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو شوق اور ترغیب دلانے کے لئے فرمایا ''چلو! جانباز و، اس جنت کی طرف بڑھو جس کی وسعت زمین و آسماں کے برابر ہے'' یہ سن کر حضرت عمیر بن الحمام الانصاری نے تعجب سے دریافت کیا ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا جنت کی وسعت زمین و آسمانوں کے برابر ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں! یقیناً زمین اور آسمانوں کے برابر ہے'' جب انہیں یہ معلوم ہوا تو بہت ہی خوشی کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا کہ تمہارے اس درجہ خوش ہونے کہ کیا وجہ ہے، انہوں نے جواب دیا ''میں اس امید پر خوش ہوا کہ شاید میرے حصہ میں بھی یہ جنت آ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ تم جنتی ہو'' اس کے بعد وہ اپنے تھیلہ

سے کھجور نکال کر کھانے لگے، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ ان کھجوروں کو کھانے میں بہت وقت لگے گا، خواہ مخواہ اتنا وقت ضائع ہوگا، یہ خیال آتے ہی انہیں نے کھجوریں پھینکیں اور میدان جنگ میں کود پڑے، انہیں اس جنگ میں شہادت نصیب ہوئی۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ جہاد کرتے وقت حضرت عمیرؓ کی زبان پر یہ ایمان افروز اشعار جاری تھے۔

ركضا إلى الله بغير زاد إلا التقى وعمل المعاد

والصبر في الله على الجهاد وكل زاد عرضة النفاد

غير التقى والبر والرشاد

تقوی، اعمال آخرت اور صبر وثبات کا توشہ لیکر اللہ کی راہ میں نکل پڑو، اس لئے کہ صلاح وتقویٰ اور اعمال صالحہ کا توشہ کبھی ختم نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ہر قسم کا زاد راہ اور رسد فنا پذیر ہے۔ أخرجه احمد (۱۳۶/۳) ومسلم

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہونچے اور وہاں کے پھل کھائے تو ہم بیمار ہوگئے اور وہاں کی آب وہوا ہمیں راس نہ آئی، اسی زمانہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان بدر کی طرف مشرکین مکہ کے کوچ کی اطلاع ملی آپ فوراً مسلمانوں کے ہمراہ ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگئے اور مشرکین سے پہلے مقام بدر پہونچ گئے، وہاں ہمیں دو آدمی ملے، ایک قریشی تھا اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط کا غلام، وہ قریشی تو ہمارے ہاتھ سے نکل گیا لیکن عقبہ کے غلام کو ہم نے پکڑ لیا اور اس سے پوچھا'' کتنے لوگ ہیں؟'' اس نے جواب دیا کہ بہت ہیں اور بڑے طاقتور ہیں، ہم نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا اور اس نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا، جب بھی وہ یہ بات کہتا تو مسلمان اسے زدوکوب کرتے، پھر ہم اسے لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس سے یہی سوال کیا کہ کتنے لوگ ہیں، اس نے پھر وہی جواب دیا کہ بہت بڑی تعداد میں ہیں اور بہت ہی طاقتور ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوشش کی وہ صحیح تعداد بتادے لیکن اس کے پاس تو جیسے اس کے سوا کوئی جواب ہی نہ تھا، وہ ہر مرتبہ یہی بات دہراتا رہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا،'' اچھا بتاؤ وہ لوگ ایک دن میں کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں'' اس نے کہا'' دس اونٹ روزانہ'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ایک ہزار لوگ ہیں، ہر سو آدمی کے لئے ایک اونٹ کے حساب سے'' پھر اس رات ہلکی ہلکی بارش ہوئی، ہم نے بارش سے بچنے کے لئے درختوں اور ڈھالوں کا سہارا لیا، اللہ کے رسول

صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر اللہ کے حضور گڑگڑاتے اور دعا کرتے رہے "اللھم إن تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد" اے اللہ اگر یہ مٹھی بھر جماعت آج ہلاک ہوگئی تو پھر اس زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ بچے گا۔

جب صبح ہوئی تو آپ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد ہمیں جہاد اور راہ خدا میں لڑنے کا شوق دلایا اور کہا کہ دیکھو یہ قریش کا لشکر ضلع نامی پہاڑ کے دامن میں ٹھہرا ہوا ہے، جب دشمن کی فوج قریب آگئی تو ہم نے دیکھا کہ ان کا ایک آدمی اپنے سرخ اونٹ پر سوار لوگوں کے درمیان گھوم گھوم کر ان سے کچھ کہہ رہا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا "اے علی! ذرا حمزہ سے پوچھو کہ یہ سرخ اونٹ والا کون ہے" حضرت حمزہؓ آئے اور عرض کیا یہ عتبہ بن ربیعہ ہے، وہ فوج میں گھوم گھوم کر لوگوں سے جنگ نہ کرنے اور واپس چلنے کی اپیل کر رہا تھا، اور کہہ رہا تھا کہ تم تو جنگ سے بھاگ آنے کا الزام میرے سر رکھ دینا اور لوگوں سے کہہ دینا کہ ہم عتبہ کی بزدلی کی وجہ سے واپس آگئے، تمہیں کوئی عار نہیں دلائے گا، ابوجہل نے جو اس کی یہ بات سنی تو غصہ سے کہا "عتبہ! کیا بکواس کرتے ہو، معلوم ہوتا ہے کہ تم مارے خوف کے مرے جارہے ہو، بخدا اگر تمہارے علاوہ کوئی اور یہ بات کہتا تو میں اسے خوب سبق سکھاتا" یہ سن کر عتبہ کو بھی غصہ آگیا اور اس نے بھی غصہ میں کہا "تم مجھے عار دلاتے ہو، دیکھنا میدان جنگ میں آج کون بہادر ثابت ہوتا ہے۔

اسی تلخ کلامی کی وجہ سے سب سے پہلے عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور اس کا لڑکا ولید میدان میں آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے للکارا، ادھر سے انصار کے کچھ نوجوان نکلے تو عتبہ نے کہا "ہمیں ان سے نہیں لڑنا، ہم تو بنو مطلب سے لڑنا اور جنگ کرنا چاہتے ہیں تاکہ برابر کا مقابلہ ہو" اس پر آپ نے فرمایا "عبیدہ بن الحارثؓ، حمزہؓ، علیؓ! تم تینوں ان کے

مقابلہ کے لئے جاؤ'' اللہ نے عتبہ، شیبہ اور ولید تینوں کو مسلمانوں کے ہاتھ قتل کرا کے دنیا ہی میں رسوا کر دیا اور ادھر حضرت عبیدہ زخمی ہوئے جن کا بعد میں انتقال ہو گیا، اس روز ہم نے ان کے ستر آدمیوں کو قتل اور ستر کو گرفتار کیا۔

جنگ کے بعد ایک انصاری صحابی عباس بن عبدالمطلب کو گرفتار کر کے اللہ کے رسول کی خدمت میں لائے تو عباس نے عرض کیا'' یا رسول اللہ! مجھے اس شخص نے گرفتار نہیں کیا ہے بلکہ مجھے تو چتکبرے گھوڑے پر سوار ایک گنجے خوبرو نوجوان نے پکڑا تھا جو اس وقت مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا'' اس پر ان انصاری صحابی نے عرض کیا'' اے اللہ کے رسول یہ جھوٹ بولتے ہیں، انہیں میں نے ہی پکڑا ہے'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' خاموش رہو، اللہ نے ایک فرشتہ کے ذریعہ تمہاری مدد کی تھی''

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم نے بنو مطلب کے تین آدمیوں، عباس، عقیل اور نوفل بن حارث کو گرفتار کیا۔

أخرجه احمد (۱۱۷/۱) وابن أبی شیبه (۳٦۲/۱٤)

درج بالا واقعہ سے مستفاد اصول وفوائد:-

(۱) جنگ کے نتائج میں جاسوسی اور سراغرسانی کے مضبوط و مستحکم اور فعال نظام کا بڑا رول ہوتا ہے، اسی طرح مقابلہ کی بھرپور تیاری کے لئے ضروری ہے دشمن کی قوت اور تعداد کے بارے میں صحیح معلومات فراہم تھا۔

(۲) مومن ثواب کے کاموں میں تاخیر گوارا نہیں کرتا۔

(۳) مجاہدین کو جنت کا شوق دلانا اور ان کے جوش و جذبہ کو ابھارنے کے لئے اجر و ثواب کو تذکرہ کرنا جنگ میں فتح کا سبب بن سکتا ہے۔

(۴) کسی پریشانی اور مصیبت کے وقت اللہ سے لو لگانا اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۵) بسا اوقات دین کے تحفظ، اور بقاء کے لئے اپنوں سے لڑنا پڑتا ہے۔

(۶) امام کی اجازت سے جنگ میں مقابلہ کے لئے للکارنا جائز ہے اسی طرح دشمن کی للکار کا جواب دینا بھی جائز ہے۔

(۷) اللہ کے نبی صلعم بڑے دور اندیش اور دور بیں تھے۔

(۸) وللہ جنود السموات والأرض (زمین اور آسمانوں کے تمام لشکر اللہ ہی کے تابع فرمان ہے)۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے مروی ہے کہ جنگ احد میں ان کی آنکھ دشمن کے ایک حملہ میں باہر نکل آئی لوگوں نے اس کو انکے چہرہ سے الگ کرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور انہیں بلا کر خود اپنے دست مبارک سے انکی آنکھ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا، وہ ایسی اچھی ہوگئی کہ خود حضرت قتادہ بن نعمانؓ بھی یہ تمیز نہ کر پاتے تھے کہ کون سے آنکھ زخمی ہوئی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہوگئی۔

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت قتادہؓ کے پوتے عاصم بن عمر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے ایک مرتبہ اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ شعر پڑھا۔

أنا ابن الذی سالت علی الخدعینه

فردت بکف المصطفی أیما رد

(میں اس عظیم ہستی کا فرزند ہوں جس کی آنکھ دشمن کے حملہ میں رخسار پر لٹک گئی اور پھر دست مصطفوی کی برکتوں سے شفایاب ہوئی)

أخرجه البیهقی فی دلائل النبوة (۹۹/۳، ۱۰۰)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ نتائج:-

(۱) میدان جہاد میں دین کے تحفظ کے لئے مجاہدانہ کارنامے انجام دینے پر فخر کرنا

جائز ہے۔

(۲) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی تاثیر اور برکت سے حضرت قتادہؓ کی آنکھ کا اچھا ہو جانا آپ کی نبوت کی دلیل ہے، ابو نعیم نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ مادرزاد کور چشموں ،کوڑھیوں اور برص زدوں کو اللہ کے حکم سے اچھا کر دیا کرتے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ جنگ احد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے حضرت قتادہؓ کی زخمی آنکھ ایسی اچھی ہوگئی تھی کہ یہ تمیز کرنا مشکل تھا کہ کون سی آنکھ زخمی تھی، اسی طرح جنگ خیبر میں حضرت علیؓ کی آشوب زدہ آنکھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی تاثیر سے اچھی ہوگئی تھی کہ اس کے بعد کبھی زندگی بھر کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر کے موقع پر مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا، میرے دائیں بائیں دو کم سن انصاری بچے تھے، یہ دیکھ کر مجھے خیال ہوا کہ میں تو ان دونوں سے زیادہ مضبوط ہوں اگر ضرورت پڑی تو میری مدد کون کرے گا، ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ انمیں سے ایک بچہ نے مجھے ٹھوکا دیکر پوچھا ''چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟'' میں نے کہا ''ہاں! لیکن تمہیں اس سے کام؟'' اس نے کہا ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان، اگر وہ مجھے نظر آ گیا تو اسے مار ہی کر دم لوں گا یا اس سے لڑتے ہوئے خود جان دیدوں گا۔

قسم کھائی ہے مرجائیں گے ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

میں اس کم سن بچہ کے اندر ایسی ہمت وشجاعت دیکھ کر حیران رہ گیا اور میری حیرانی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے بچہ نے بھی مجھ سے یہی سوال پوچھ لیا اور میرے استفسار پر اس نے بھی بالکل وہی جواب دیا جو پہلے والے نے دیا تھا، کچھ دیر ہی میں مجھے دشمنوں کے درمیان ابوجہل نظر آ گیا، میں نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو تمہارا مطلوبہ آدمی ہے، یہ سنتے ہی وہ دونوں شکرے کی سی تیزی سے اس کی طرف لپکے اور ایک ہی وار میں اسکا کام تمام کر دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اپنے کارنامہ سے آگاہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا فرمایا ''تم میں سے کس نے اس ملعون کو قتل کیا ہے؟'' انہوں نے نفی میں جواب دیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تلوار دیکھ کر فرمایا ''تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے''۔ رضی اللہ عنہما

درج بالا واقعہ سے مستنبط اصول وفوائد:-

(۱) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچوں سے فرمایا کہ تم دونوں نے اسے مارا ہے حالانکہ فیصلہ کن وار کرنے والا تو کوئی ایک ہی ہوگا۔

(۲) ظالموں کے لئے دنیا وآخرت دونوں جہاں میں ناکامی و نامرادی اور ذلت و رسوائی ہے۔

(۳) ایک سچا مسلمان حق کے لئے لڑنے میں شاہین اور عقاب سے زیادہ تیزی اور پھرتی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

(۴) کم سن وکم عمر صحابہ کرام بھی اسلام کے لئے جان کی بازی لگانے کو ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

خیال عظمت ملت مکیں تھا ان کے سینوں میں
کوئی ساماں نہ تھا ذوق یقیں تھا ان کے سینوں میں

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ جنگ بدر میں قریش مکہ کی ذلت ناک شکست کے بعد ایک روز عمیر بن وہب الجمحی صفوان بن امیہ کے ساتھ حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے جنگ بدر کی اہانت آمیز شکست اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے صورتحال پر تبصرہ کر رہے تھے، عمیر بن وہب بڑا ہی بدطینت، شیطان صفت اور موذی انسان تھا جس نے مکی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہونچایا تھا اور آج اس کا بیٹا وہب بن عمیر مدینہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا جسے انہوں نے جنگ بدر میں گرفتار کر لیا تھا، دوران گفتگو مقتولین بدر کا تذکرہ آیا تو صفوان بن امیہ نے کہا ''بخدا ان لوگوں کے بعد جینے کا کوئی لطف نہیں، پوری دنیا بے رونق و بے کیف معلوم ہوتی ہے'' عمیر نے بھی اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ ''بھائی! صحیح کہتے ہو، بخدا اگر میرے اوپر لوگوں کا قرض نہ ہوتا اور مجھے اپنے بعد اپنے اہل وعیال کے ہلاک ہونیکا خدشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیتا، صفوان بن امیہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً گرم لوہے پر چوٹ کی اور کہا ''تم کیوں فکر کرتے ہو، تمہارا قرض میں چکاؤں گا اور تمہارے بچے میرے ذمہ ہیں، میں تاحیات ان کا خیال رکھوں گا، جو خود کھاؤں گا وہی انہیں کھلاؤں گا اور جیسے خود رہوں گا ویسے ہی انہیں رکھوں گا'' یہ سن کر عمیر نے کہا ''بس ٹھیک ہے، تم کسی سے تذکرہ مت کرنا، میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گا''۔

پھر عمیر نے اپنی تلوار کو صیقل کر کے زہر میں بجھایا اور اسے لے کر مدینہ چل دیا،

ادھر مدینہ میں حضرت عمر بن خطابؓ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے جنگ بدر کے واقعات، مسلمانوں کی شجاعت و پامردی اور اللہ کی نصرت اور مدد کو یاد کر رہے تھے کہ اچانک ان کی نگاہ عمیر بن وہب پر پڑی جو مسجد نبوی کے نزدیک اپنی سواری سے اتر رہا تھا اور تلوار اس کی گردن میں آویزاں تھی، حضرت عمرؓ دیکھتے ہی اس کا ارادہ بھانپ گئے اور بولے ''اس دشمن خدا کا ارادہ نیک نہیں لگتا، اس نے پہلے بھی ہمیں خاصا نقصان پہونچایا ہے'' پھر حضرت عمرؓ دوڑ کر اللہ کے رسول کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! دشمن خدا عمیر بن وہب تلوار ہاتھ میں لئے آرہا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ اسے لے کر آؤ'' حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر انہیں گھیر کے بیٹھ جاؤ، اور ذرا احتاط رہنا اسلئے کہ یہ شخص بالکل قابل اطمینان نہیں، پھر وہ گئے اور اس کا گریبان پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اللہ کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لائے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو بولے ''اے عمر! اسے چھوڑ دو'' پھر عمیر بن وھب سے مخاطب ہو کر کہا ''عمیر! میرے پاس آؤ'' وہ قریب ہوا اور جاہلی رواج کے مطابق ''اُنعم صباحا'' کہہ کر سلام کیا، آپ نے فرمایا ''عمیر! ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس سے اچھے سلام ''السلام علیکم'' سے نوازا ہے جو اہل جنت کے سلام کا طریقہ ہے'' اس نے بے پروائی سے جواب میں کہا کہ ''اے محمد! کچھ دن پہلے تک تم بھی اسی طرح سلام کیا کرتے تھے'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''عمیر! کیوں کر آئے ہو؟'' اس نے کہا ''اپنے بیٹے کو چھڑانے جسے آپ نے قید کر لیا ہے، ازراہ کرم اسے چھوڑ دیجئے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اچھا تو یہ تلوار کیوں لائے تھے؟'' اس نے کہا ''ارے، چھوڑیئے اس تذکرہ ہو، ناس ہو ان تلواروں کا، یہ جنگ بدر میں کچھ بھی تو ہمارے کام نہ

آسکیں'' آپ نے فرمایا ''سچ سچ بتاؤ کیوں آئے تھے؟'' اس نے سادگی سے جواب دیا ''حضور! بس یہی مقصد تھا، اپنے بیٹے کی رہائی کے علاوہ میرے ذہن میں اور کوئی بات نہیں تھی'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جھوٹ بولتے ہو، کیا تم بھول گئے کہ حطیم کعبہ میں تمہارے اور صفوان کے درمیان مقتولین قریش کے بارے میں باتیں ہوئی تھیں، جس پر تم نے کہا کہ اگر میرے ذمہ قرض اور بچوں کی پرورش نہ ہوتی تو میں محمدؐ کو قتل کر دیتا، پھر صفوان بن امیہ نے میرے قتل کے بدلہ میں تمہارے قرض کی ادائیگی اور بچوں کی پرورش کی ذمہ داری لے لی، خوب سمجھ لو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ حائل ہے جو کسی قیمت پر تمہیں ذرا بھی مجھے نقصان پہونچانے نہ دیگا'' زبان نبوت سے یہ باتیں سن کر اس نے فوراً کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ہم پہلے اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے لیکن اب مجھے یقین آ گیا کہ آپ کا آسمان سے تعلق ہے، اس لئے کہ اس بات کی خبر میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو نہیں ہے، مجھے پورا یقین ہے کہ یہ بات آپ کو اللہ ہی نے بتائی ہے، شکر ہے اس خدا کا جو مجھے یہاں لیکر آیا اور مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی''۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ''اپنے دینی بھائی کو قرآن پڑھاؤ، دینی تعلیم دو اس کے بیٹے کو آزاد کر دو'' صحابہ کرامؓ نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

ایک روز عمیر بن وہبؓ نے اللہ کے رسولؐ سے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں نے اللہ کے نور کو بجھانے اور اسلام کا نام و نشان مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور مسلمانوں کو بہت ستایا ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیدیں کہ میں مکہ جا کر لوگوں کو

اسلام کی دعوت دوں اور انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سناؤں اگر وہ میری بات مان لیں تو فبہا بصورت دیگر میں ان کے خلاف اسی طرح محاذ آرا ہو جاؤں جس طرح اب سے پہلے تک آپ کی اور آپ کے اصحاب کی مخالفت کرتا رہا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دیدی جس کے بعد انہوں نے مکہ میں دعوتی کام کا آغاز کر دیا، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت عمیر بن وہب مکہ آ کر پوری طرح اسلام کی اشاعت کے لئے سرگرم ہو گے، ان کے ہاتھوں پر لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا اور جو ان کی بات نہیں مانتے وہ اس کے سخت ترین مخالف ہو جاتے۔ سچ کہا ہے مولانا الطاف حسین حالی نے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

أخرجه ابن اسحاق (۳۱۶/۱—۳۱۸) والطبرانی (۵۹/۱۷—٦١)

درج بالا واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ۔

(۱) دشمن کے فریب اور اس کی تدابیر سے محتاط رہنا چاہئے۔

(۲) اللہ کے رسول صلعم کی دینی غیرت وحمیت نے جاہلی سلام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت وحفاظت کا خود ذمہ لیا تھا۔

(۴) ''السلام علیکم'' جنتیوں کا سلام ہے۔

(۵) ایمان انسان کی حالت یکسر تبدیل کرنے اور اسے کاہ سے کوہ اور خاک سے کندن بنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

(۶) **فمن یرد الله أن یهدیه یشرح صدره للاسلام** (اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے کھول دیتے ہیں)

(۷) اللہ کے رسول صلعم اتنے حلیم و بردبار اور اعلیٰ ظرف تھے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی لطف وعنایت کا معاملہ فرماتے تھے۔

؎ خلوص آشنا اپنی فطرت بنالو جو دشمن بھی آئے گلے سے لگالو

(۸) ایک ایسی بات کو بتا دینا جس کی رازداری کا پورا اہتمام کیا گیا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

پھونک کر اپنے آشیانہ کو روشنی بخش دی زمانہ کو

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے بعد جب اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زر فدیہ بھیجا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کو جنہیں مسلمانوں نے قید کرلیا تھا چھڑانے کے لئے کچھ مال روانہ کیا جس میں وہ ہار بھی تھا جو ان کی والدہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو ابوالعاص کے ساتھ رخصت کرتے وقت دیا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس ہار کو دیکھا تو بیقرار ہوا ٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیر معمولی تاثر ہوا، آپ نے مسلمانوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینب کے قیدی کو یونہی آزاد کردو اور اس کا سامان اسے واپس لوٹا دو، صحابہ کرامؓ تو ہمہ وقت جاں نثاری وفرمانبرداری کے لئے تیار رہا کرتے تھے، فوراً عرض کیا ''حضور! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، ہم بخوشی راضی ہیں''۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوالعاص کو آزاد کر دیا گیا اور حضرت زینب کا سامان بھی واپس کر دیا گیا۔ أخرجه الحاكم (۲۳٦/۳)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزدی حضرت زینبؓ بھی ہجرت کا ارادہ سے کنانہ یا ابن کنانہ کے ساتھ نکلیں، قریش کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے

تعاقب کیا، کسی طرح ان کا ایک آدمی ہبار بن اسود حضرت فاطمہ کے قریب پہونچ گیا، اس نے انہیں روکنے کے لئے ان کے اونٹ پر نیزوں کے پیہم وار کئے جس سے حضرت فاطمہ نیچے آگریں اور خون کا فوارہ جاری ہوگیا، اس نازک اندام شہزادی کے لئے یہی جسمانی تکلیف کیا کم تھی کہ دوسری طرف ہند بنت عتبہ بن ربیعہ یہ کہہ کہہ کر انہیں روحانی اذیت دیا کرتی تھی کہ یہ سب تمہارے باپ کی وجہ سے ہوا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مکہ سے زینب کو لانے کی ذمہ داری سونپی جسے انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا، ہوا یوں کہ کہ جب اللہ کے رسولؐ نے ان سے زینبؓ کو مکہ سے لانے کی بات کی تو آپؐ نے انہیں اپنی انگوٹھی دیکر کہا کہ یہ انگوٹھی زینب کو دے دینا، وہ اسے پہچان لے گی، حضرت زیدؓ آپؐ کی انگوٹھی لیکر روانہ ہوئے، مکہ پہونچ کر ان سے ملنے کی مختلف تدابیر کرتے رہے حتی کہ ایک روز ان کی ملاقات ایک چرواہے سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا ''تم کس کے خادم ہو؟ اس نے بتایا کہ ابوالعاص کا، انہوں نے پھر پوچھا ''یہ بکریاں کس کی ہیں؟'' کہا ''زینب بنت محمد کی'' کچھ دور تک وہ اسی طرح باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ چلتے رہے پھر اچانک موضوع بدل کر بولے ''یہ بتاؤ، اگر میں تمہیں کوئی امانت دوں تو کیا تم خاموشی سے زینب تک پہونچا سکتے ہو؟'' اس نے فوراً کہا ''کیوں نہیں! بالکل پہونچا دوں گا'' حضرت زیدؓ نے وہ انگوٹھی اس کے حوالے کردی جسے لیکر وہ آگے بڑھ گیا، جب بکریاں لیکر گھر پہونچا تو چپکے سے وہ انگوٹھی حضرت زینب کو دیدی، انہوں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑی بے تابی سے پوچھا ''تمہیں یہ انگوٹھی کہاں سے ملی؟'' اس نے بتایا ''ایک اجنبی نے مجھے آپ تک پہونچانے کے لئے دی تھی'' انہوں نے دوبارہ معلوم کیا ''تم نے اس آدمی کو کہاں چھوڑا تھا؟'' اس نے ان کا پورا پتا بتادیا، یہ سن کر وہ خاموش ہوگئیں رات ہوئی تو وہ خاموشی سے اٹھ کر دبے پاؤں اسی طرف چل دیں جہاں ان

کے چرواہے کی حضرت زیدؓ سے ملاقات ہوئی تھی، حضرت زیدؓ وہیں موجود تھے، انہوں نے حضرت زینب کو آتے دیکھا تو فوراً اونٹ کو آگے بڑھا کر کہا ''آپ اونٹ پر آگے تشریف رکھئے، میں پیچھے بیٹھتا ہوں'' حضرت زینب نے فرمایا ''نہیں، آپ آگے بیٹھئے، میں پیچھے بیٹھوں گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت زیدؓ آگے سوار ہوئے اور حضرت زینب پیچھے بیٹھیں، اسی طرح وہ دونوں مدینہ پہونچے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے، آپؐ نے فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری سب سے اچھی بیٹی ہے جس نے میری خاطر بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ أخرجه الحاكم (۲۳۶/۳)

ابوالعاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی طرف مال تجارت لے کر نکلے واپسی پر مسلمان دستوں نے ان کے ہمراہوں کو مع مال و اسباب گرفتار کرلیا، ابوالعاص کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے، رات ہوئی تو اپنے مال کی واپسی کے لئے چھپ کر حضرت زینب کے پاس پہونچے، انہوں نے پناہ دی، جب اللہ کے رسولؐ فجر کی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے اور آپ نے تکبیر کہی تو حضرت زینب نے پکار کر کہا ''اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے، اللہ کے رسولؐ نے نماز کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''اے لوگو! کیا تم نے وہ آواز سنی جو میں نے سنی؟'' لوگوں نے عرض کیا ''جی حضور! ہم نے بھی سنی ہے'' اس پر آپؐ نے فرمایا ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان، مجھے اس بات کا اب تک بالکل علم نہیں تھا'' پھر آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا ادنی فرد بھی اگر کسی کو پناہ دے تو اس کی بات کا احترام لازم ہے، اس کے بعد آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ''بیٹی! ابوالعاص کی ضیافت اور اعزاز میں کوئی کمی نہیں کرنا لیکن ان کے پاس مت جانا کہ اب تم ان کے لے حلال نہیں رہیں''۔ أخرجه الحاكم (۲۳۶/۳)

آنحضرتؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کر دو، پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کر دیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابو العاص مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لئے یہاں آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تا کہ تم یہ نہ کہو کہ ابو العاص ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

أخرجه الحاكم (۲۳۷/۲)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کے ایک دستہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا ''اگر فلاں فلاں آدمی تمہیں ملیں تو انہیں جلا ڈالنا'' پھر جب وہ لوگ چلنے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے پہلے فلاں فلاں لوگوں کو جلانے کا حکم دیا تھا لیکن اب میں یہ کہتا ہوں کہ انہیں جلانا نہیں کسی اور طرح قتل کرنا، اسلئے کہ آگ کا عذاب دینے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ أخرجه احمد (۲/ ۳۰۷، ۳۳۸، ٤٥۳)

نوٹ:- روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے جن لوگوں کو مارنے کا حکم دیا تھا انمیں سے ایک ہبار بن اسود اور دوسرا نافع بن عبد قیس تھا۔

دروس وفوائد:-

(۱) قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے۔

(۲) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

(۳) شادی کے موقع سے جو ہدیہ یا تحفہ دیا جاتا ہے اسکی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

(۴) مقصد تک پہونچنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے چاہئیں۔

(۵) سفر میں مرد کا عورت سے آگے رہنا زیادہ محتاط اور محفوظ طریقہ ہے۔

(۶) حضرت زینبؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیاری اور محبوب تھیں۔

(۷) کسی کافر کو پناہ دینا جائز ہے۔

(۸) اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کھانا جائز ہے۔

(۹) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔

(۱۰) احساس اور حسن سلوک دعوت إلی اللہ کا بڑا ہی مؤثر اور مفید ذریعہ ہے۔

(۱۱) اس قصہ سے حضرت ابوالعاصؓ کی فضیلت، امانتداری اور راست بازی کا بھی علم ہوتا ہے۔

(۱۲) اجتہاد کے ذریعہ کوئی حکم دینا پھر رائے بدل جانے پر اس سے رجوع کرنا جائز ہے۔

(۱۳) پہلے حکم سے رجوع کر کے دوسرا حکم لیتے وقت دلیل بیان کرنا مستحب ہے تاکہ کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہ رہے۔

(۱۴) آگ جلا کے مچھر مارنا مکروہ ہے۔

(۱۵) ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے ناسخ بن سکتی ہے۔

(۱۶) کوئی حکم عمل سے پہلے بھی منسوخ ہوسکتا ہے۔

نتیجہ موجۂ قلزم سے پوچھو
خدائی کی ہے جب بھی آدمی نے

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کعب بن اشرف سے کون نپٹے گا؟ اس موذی نے اللہ اور اس کے رسول کو بہت تکلیف پہونچائی ہے'' یہ سن کر محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اسے قتل کردوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' اس پر انہوں نے عرض کیا ''تو پھر آپ مجھے کعب بن اشرف سے کچھ باتیں کرنے کی اجازت دیجئے تاکہ میں اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلا کے اس کا قرب حاصل کرلوں اور پھر موقع ملتے ہی اس کا کام تمام کردوں'' آپ نے فرمایا ''تمہیں اجازت ہے، جاؤ اور اس سے جو کہنا ہے کہہ لو'' اجازت لے کر محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس پہونچے اور کہا ''اس شخص (محمد صلعم) نے تو ہم سے صدقہ مانگ مانگ کر ہمارا جینا دوبھر کردیا، میں آپ کے پاس کچھ قرض لینے آیا ہوں'' اس نے کہا ''دیکھنا وہ تمہیں ابھی اور پریشان کرے گا، اور کرو اس کی اتباع! اس پر حضرت محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا ''ہم نے جب اس کی بات مان لی ہے تو ہم چاہتے ہیں کہ جب تک اس کا انجام نہ دیکھ لیں اس رشتہ کو نبھاتے ہی چلیں، آپ فی الحال ہمیں کچھ قرض دے دیجئے'' اس نے کہا ''ٹھیک ہے، میرے پاس کچھ گروی رکھ دو'' میں نے پوچھا ''کیا گروی رکھیں؟'' بولا ''اپنی عورت'' یہ سن کر حضرت جابر کے ساتھ لوگ موجود

تھے کہنے لگے ''بھلا ہم اپنی عورتیں تمہیں کیسے دے سکتے ہیں تم اتنے حسین وجمیل ہو، مبادا ہماری عورتیں تم پر فریفتہ ہوگئیں تو'' اس نے کہا ''اچھا ٹھیک ہے، عورتیں نہ سہی، اپنی اولاد دے دو'' اس کو بھی انہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ ہم ایسا کیسے کر سکتے ہیں، اس سے ہمارے بچے ہدف ملامت بن جائیں گے، یہ تو ہمارے لئے بڑی رسوائی کی بات ہوگی، ہاں! البتہ اپنے ہتھیار گروی رکھ سکتے ہیں۔

بہر حال حضرت جابرؓ نے اس سے رات میں آنے کا وعدہ کرلیا، چنانچہ اپنے وعدہ کے مطابق وہ رات کو کعب بن اشرف کے رضائی بھائی، ابو نائلہ کے ساتھ اسکے گھر پہونچے ،اس نے ان لوگوں کو اندر بلالیا اور جب ان سے ملنے کے لئے نیچے جانے لگا تو اس کی بیوی نے کہا ''اس وقت کہاں جارہے ہیں؟'' اس نے کہا ''کہیں نہیں، ذرا محمد بن مسلمہ اور میرا رضاعی بھائی ابو نائلہ آئے ہیں ان ہی سے ملنے جارہا ہوں اور تم تو جانتی ہی ہو کہ شریف اور نیک مزاج انسان کو اگر رات میں بھی کوئی ضرورت مند بلاتا ہے تو وہ انکار نہیں کرتا''

راوی کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ کے ساتھ دو آدمی تھے، جب وہ لوگ اس کے گھر پہونچے تو محمد بن مسلمہ نے ان سے کہا ''جب وہ آئے گا تو میں اس کے باتوں سے متاثر ہونے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے بالوں کو سونگھوں گا، جب تم دیکھو کہ میں اس نے اس کا سر پکڑ لیا ہے تو آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دینا'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب وہ ہتھیار بند ہوکر نیچے آیا تو محمد بن مسلمہ نے اس کے بالوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا ''کیا میں آپ کے بال کو سونگھ سکتا ہوں؟'' اس نے کہا ''کیوں نہیں'' جیسے ہی اجازت ملی انہوں نے پیچھے جاکر اس کا سر پکڑ کے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کر دیا، انہوں نے فوراً آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر آکر رسول اللہ کو اپنے اس کارنامہ کی اطلاع دی۔

أخرجه البخاري (١٦٠، ١٥٩/٦٧١٤٢/٥)

فوائد و دروس:-

(۱) مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مناسب تدابیر اور اسباب اختیار کرنے چاہئیں۔

(۲) یہودی بڑے کینہ پرور، اور بد باطن ہوتے ہیں۔

(۳) اللہ کے نبی کی اہانت کرنے والا مستحق قتل ہے خواہ وہ مسلمان سے معاہدہ کر کے انہیں کے ساتھ رہتا ہو یا وہ دارالحرب کا رہنے والا ہو اور مسلمانوں سے کوئی معاہدہ اس کا نہ ہو۔

(۴) جنگ میں بہ فیض مصلحت کوئی ایسی بات کہی جاسکتی ہے جس سے بظاہر کچھ سمجھ میں آئے لیکن کہنے والے کا مقصد کچھ اور ہو۔

(۵) مشرک کو قتل سے پہلے اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں جبکہ دعوت عام ہو اور اس تک پہنچ چکی ہو۔

(۶) اگر ذمی یا معاہد عہد شکنی کر دے تو اسکا قتل جائز ہے۔

(۷) عورتیں خوبصورت و حسین مرد سے متاثر ہوتی ہیں۔

(۸) مخاطب کو دھوکہ دینے کے لئے ذو معنین بات کہی جاسکتی ہے جبکہ اس کا مقصد نیک ہو۔

عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن النضرؓ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے جس کا انہیں ہمیشہ قلق اور افسوس رہا کرتا تھا، وہ اکثر فرماتے تھے ''میں بدقسمتی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام کے سب سے پہلے غزوہ میں شریک نہیں ہو سکا لیکن اگر اللہ عزوجل نے مجھے آئندہ کسی غزوہ میں مشرکین سے جنگ کرنے کا موقع دیا تو دیکھنا میں اللہ کی راہ میں کیسی شجاعت و جانبازی کا مظاہرہ کروں گا، چنانچہ ان کی یہ خواہش میدان احد میں پوری ہوئی، جنگ احد میں جب مسلمان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ سے بددل ہو کر میدان سے ہٹنے لگے تو اس نازک موقع پر انہوں نے بے مثال ثبات و استقلال اور شجاعت و پامردی کا مظاہرہ کیا اور پوری ہمت و بہادری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اس موقع پر ان کی ملاقات حضرت سعد بن معاذؓ سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا ''اے ابوعمرو (حضرت سعدؓ کی کنیت) یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو، وہ دیکھو احد کے اس پار سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے یہ کہہ کر وہ مشرکین کی صفوں میں گھس گئے اور ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

آیا پروانہ گر شمع پہ اور جل بھی مرا
تم ابھی سوچ رہے ہو کہ محبت کیا ہے

روایتوں میں آتا ہے کہ ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زائد زخم تھے۔

ایک خونچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ میں
پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

ان کی بہن ربیع بنت نضر فرماتی ہیں کہ میں نے ان کی لاش کو ان کی انگلیوں کے پوروں سے پہچانا، حضرت انس فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم کہ یہ آیت ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَاعَاهَدُوااللّٰه عَلَيْه فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِر وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا '' حضرت انس بن نضرؓ اور ان کے ساتھیوں یعنی دیگر شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

أخرجه أحمد (۳/۲۰۱) والترمذی (۳۲۰۱)

اس قصہ کے فوائد:-

(۱) عہد کا لحاظ رکھنا بندہ کے ایمان کی دلیل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَاعَاهَدُوااللّٰه عَلَيْه فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِر وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ''(ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا جس پر قول کیا تھا اللہ سے، پھر کوئی ہے کہ پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہیں ان میں منتظر اور بدلا نہیں اپنا ارادہ کچھ)
وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے۔

(۲) صحابہ کرام اسلام کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگانے کا جذبہ رکھتے تھے۔

(۳) شہید کے لئے جنت ہے۔

(۴) جنت کا شوق انسان کو اللہ کی راہ سے بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ کرسکتا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

حضرت ثابتؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر اپنے ہاتھ میں تلوار لی اور فرمایا ''یہ تلوار کون لیگا؟'' اتنا سننا تھا کہ سب لوگ ملتجیانہ نگاہوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنے لگے گویا یہ درخواست کررہے ہوں کہ ہمیں دے دیجئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کون اس کا حق ادا کریگا؟'' تو سب پیچھے ہٹ گئے، صرف حضرت ابو دجانہؓ آگے بڑھے اور عرض کیا ''یارسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا'' پھر وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لیکر میدان جنگ میں گھس گئے، جو کوئی ان کے سامنے آتا ان کی تلوار سے بچ کر نہ جاتا۔ ع

دست نادر باید شمشیر آبدار

أخرجہ احمد (۳/۱۲۳) ومسلم (۲۴۷۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا ''کوئی ایسا آدمی بتاؤ جس نے ایک وقت کی نماز نہ پڑھی ہو اور جنت میں داخل ہوگیا ہو؟'' غور وفکر کے بعد بھی جب ایسا کوئی شخص ذہن میں نہیں آیا تو لوگوں نے عرض کیا ''آپ ہی بتادیجئے، ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا'' انہوں نے جواب دیا ''**أصیرم اشهلی** یعنی عمرو بن ثابت۔

حضرت حصین فرماتے ہیں کہ میں نے محمود بن اسد سے پوچھا ''اصیرم اشہلی کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟'' انہوں نے بتایا کہ وہ وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے اپنی قوم کے مسلمان لوگوں کے پاس آتے تھے، جنگ احد کے دن اچانک ان کے دل میں اسلام قبول

کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے کلمہ پڑھا، تلوار لی اور میدان جنگ میں کود پڑے، مشرکین سے جنگ کرتے ہوئے وہ شدید زخمی ہوگئے، جنگ ختم ہونے کے بعد جب قبیلہ عبدالاشہل کے لوگ میدان جنگ میں اپنے مقتولین کو ڈھونڈھ رہے تھے اچانک ان پر نگاہ پڑگئی، انہوں نے تعجب سے پوچھا ''یہ اصیرم یہاں کیسے، یہ تو اسلام کا باغی تھا'' پھر ان لوگوں نے خود اصیرم ہی سے پوچھا ''تم یہاں کیسے آئے؟'' اپنی قوم کی محبت میں یا اسلام کے دفاع کے لئے؟'' انہوں نے جواب دیا ''میرے دل میں اسلام قبول کرنے کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ اسلام قبول کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں شریک ہونے کے لئے چلا آیا اور دشمنوں سے لڑتا رہا حتی کہ زخموں نے مجھے بالکل نڈھال کردیا'' یہ کہہ کر انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی اور آنکھ بند کر کے ابدی نیند سو گئے۔ ع

سادگی سے جان دی پڑوں کوہ کن کے پاؤں

ان لوگوں نے اس کا تذکرہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا ''وہ جنتی ہے'' رضی اللہ عنہ۔ أخرجه ابن اسحاق كما في السيرة لابن هشام ۹۵/۲۰)

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ میرے والد نے بنوسلمہ کے بزرگوں سے سنا کہ حضرت عمرو بن الجموح کے پاؤں میں شدید لنگ تھا، انکے چار مضبوط اور نوجوان صاحبزادے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی وسرفروشی کے ہر موقع پر حاضر رہتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد کے لئے روانہ ہوئے تو عمرو بن جموحؓ نے بھی ساتھ چلنے کا ارادہ کیا، ان کے بیٹوں نے روکنا چاہا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے رخصت رکھی ہے، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، ہم لوگ آپ کی نیابت کریں گے، آپ پر جہاد فرض نہیں، عمرو بن جموح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں جبکہ میری یہ خواہش ہے کہ میں بھی شہادت

پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں رخصت دی ہے، تمہاری شرکت کوئی ضروری نہیں، دوسری طرف ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ کیا حرج ہے تم ان کو جہاد میں جانے دو وہ بھی ارمان نکال لیں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت پی کر اپنی دیرینہ آرزو پوری کی، اسی غزوہ میں ان کے بھتیجے اور ان کے آزاد کردہ غلام ابو ایمن بھی شہید ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کا حکم دیا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت

أخرجه ابن إسحاق كما في السيرة لابن هشام (۹۶/۲)

حضرت سعد بن وقاص سے مروی ہے کہ جنگ احد کے بعد مسلمان مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بنو دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گزر ہوا، جس کے شوہر، بھائی اور باپ سب اس جنگ میں کام آگئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے سب سے پہلے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں، لوگوں نے جواب دیا ”اے ام فلاں! بحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صحیح سلامت ہیں“ کہنے لگیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھاؤ میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے پاس آکر چہرہ مبارک کو دیکھا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

نگاہ سرور کونین کی مسیحائی جسے بھی دیکھ لیا اس نے زندگی پائی

سیرة ابن هشام (۱۰۵/۲)

فوائدودروس:۔

(۱) اس واقعہ سے حضرت ابودجانہؓ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

(۲) اُصیرم ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کے زبان نبوت نے خود تصدیق کی ہے۔

(۳) **ليس على الأعمىٰ حرج ولا على الأعرج حرج** (معذورین کے لئے جنگ میں شرکت نہ کرنے کی رخصت ہے)

(۴) اس سے ہمیں حضرت عمرو بن جموح کا جذبہ ایمانی اوران کی فضیلت، نیز ان کے صاحبزادوں کی ہمت وشجاعت بھی معلوم ہوتی ہے۔

(۵) بوقت ضرورت ایک قبر کے اندر دو یا اس سے زائد لوگوں کو دفن کیا جاسکتا ہے۔

(٦) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابیات کی جاں نثاری اور فداکاری، نیز ان کے فضائل ومناقب کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۷) محبت رسولؐ باپ، بھائی، شوہر، بیٹے حتی کہ خود اپنی جان سے بھی مقدم ہے۔

بازی اگر چہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ایک دستہ کو جاسوسی کے لئے بھیجا اور حضرت عاصم بن ثابتؓ کو اس کا امیر مقرر فرمایا، یہ دستہ جب عسفان اور مکہ کے درمیان واقعہ ایک مقام پر پہونچا تو وہاں آباد بنولحیان کے لوگوں کو اس کی اطلاع ہوگئی، انہوں نے فوراً سو تیراندازوں کے ساتھ صحابہ کرام کا تعاقب کیا، ان کے نشانات قدم کے سہارے وہ لوگ اس جگہ پر پہونچ گئے جہاں ابھی کچھ دیر پہلے صحابہ کے اس دستہ نے پڑاؤ کیا تھا وہاں انہیں مدینہ کے کھجوروں کی گھٹلیاں نظر آئیں جنہیں دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ وہ ابھی یہیں کہیں ہیں زیادہ دور نہیں گئے، چنانچہ پھر تلاش شروع کردی اور کچھ دیر میں ان کو کھوج نکالا، جب حضرت عاصم بن ثابتؓ اور ان کے ساتھیوں نے انہیں قریب آتے دیکھا تو پناہ لینے کے لئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے، ان لوگوں نے آکر چاروں طرف سے اس ٹیلے کو گھیر لیا اور کہا کہ تم لوگ نیچے اتر آؤ، ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ کسی ایک کو بھی قتل نہیں کریں گے، حضرت عاصمؓ نے فرمایا کہ میں تو ہرگز کسی کافر کی ضمانت یا امان قبول نہیں کروں گا۔

کہا عاصم نے مارو تیراے نامرد خونخوارو
پناہ کافراں مجھ کو نہیں درکار غدارو

پھر انہوں نے دعا کی ''اے اللہ! ہماری خبر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادے'' اس کے بعد بنولحیان نے تیراندازی کر کے حضرت عاصمؓ اور دیگر چھ صحابہ کر

شہید کر دیا، صرف حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ اور ایک صحابیؓ زندہ بچ گئے جو کچھ دیر مزاحمت کے بعد کفار کے عہد و پیماں پر اعتماد اور اطمینان کر کے نیچے اتر آئے، جیسے ہی وہ نیچے آئے ان لوگوں نے اپنے کمانوں کی تانتیں کھول کر انہیں باندھ دیا، یہ دیکھ کر تیسرے صحابی بول پڑے ''یہ پہلا دھوکہ ہے، میں تو ان کے ساتھ نہ جاؤں گا'' کفار نے انہیں کھینچا اور زبردستی اپنے ساتھ لیجانے کی کوشش کی لیکن چلنا تو کجا وہ تو اپنی جگہ سے کھسکنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے چنانچہ ان لوگوں نے انہیں وہیں قتل کر ڈالا اور حضرت خبیبؓ اور زیدؓ کو لیکر آگے بڑھ گئے اور انہیں مکہ کے بازار میں لے جا کر بیچ دیا، حضرت خبیبؓ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے جس کو حضرت خبیبؓ نے جنگ بدر میں قتل کیا تھا اپنے باپ کے بدلہ لینے کے لئے خرید لیا، وہ انہی لوگوں کے پاس قید تھے کہ ایک روز انہوں نے کسی ضرورت سے بنو حارث ہی کے خاندان کی ایک خاتون سے ایک استرا مانگا جو اس نے دیدیا، اس خاتون کا بیان ہے کہ میں حضرت خبیب کو استرا دیکر اپنے کسی کام میں لگ گئی، میرا بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس پہونچ گیا، میں نے خیال کیا، کچھ دیر بعد جب میں نے بچہ کو تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ ان کی ران پہ بیٹھا کھیل رہا ہے اور ان کے ہاتھ میں دھار دار استرا ہے، میں یہ منظر دیکھ کر سہم گئی، انہوں نے جو میری بے چینی اور پریشانی دیکھی تو بولے ''کیا آپ اس بات سے ڈرتی ہے کہ میں آپ کے بچہ کو قتل کر دوں گا، بخدا میں ایسا نہیں کر سکتا۔

وہ خاتون کہتی ہیں کہ میں نے خبیبؓ جیسا بھلا مانس کبھی زندگی میں نہیں دیکھا میں نے ان کے پاس انگور کے خوشہ دیکھے ہیں حالانکہ اس وقت مکہ کے اندر کوئی پھل نہیں تھا اور وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، یقیناً ان کا خدا انہیں یہ انگور کھلاتا تھا۔

پھر ایک روز وہ لوگ حضرت خبیبؓ کو لے کر مقتل کی جانب روانہ ہوئے، جب وہ

وہاں پہونچے تو حضرت خبیبؓ نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت چاہی جو انہیں مل گئی، انہوں نے پورے اطمینان اور خشوع وخضوع کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی، نماز سے فارغ ہوکر ان لوگوں کے پاس آئے اور کہا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت کے خوف سے نمازیں پڑھ رہا ہوں تو میں اپنے پروردگار کے حضور دیر تک قیام میں مصروف رہتا، پھر انہوں نے ان کے خلاف بددعا کی کہ ''اے اللہ! ان کو چن چن کر ہلاک کر'' اس کے بعد جوش وولولہ اور اعتماد ویقین سے لبریز یہ اشعار پڑھے۔

ولست أبالی حین أقتل مسلما

علی أی شق کان فی اللہ مصرعی

چونکہ مجھ کو حالت اسلام میں شہید کیا جارہا ہے لہٰذا مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ خدا کی راہ میں کس پہلو پر گر کر میں اپنی جان دوں

وذالك فی ذات الالہ وإن یشا

یبارك علی أوصال شلو ممزع

کبھی میں دار پر چڑھ کر وفا کے گیت گاتا ہوں

کبھی شیر خدا بن کر میں باطل کو مٹاتا ہوں

پھر عقبہ بن حارث آگے بڑھا اور نیزہ سے وار کر کے انہیں شہید کر ڈالا، دوسری طرف قریش نے حضرت عاصمؓ کی لاش کو لانے کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ اس کی بے حرمتی کر کے اپنے سینہ میں لگی انتقام کی آگ بجھالیں، اس لئے کہ یہی حضرت عاصم بن ثابتؓ تھے جنہوں نے جنگ بدر میں قریش کے ایک بڑے سردار کو قتل کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جان دینے والے اس بے لوث مجاہد کے جسد خاکی کی حفاظت کے لئے بھڑوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا جس نے ان کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور قریش کے قاصدوں کو

ہاتھ لگانے کا موقع بھی نہیں دیا، چنانچہ وہ یوں ہی واپس لوٹ گئے، خاک بھی نہ پا سکے

(ورد الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيرا)

أخرجه البخاري (٦٦١٠١٦٥/٦) وأبو داؤد (٢٦٦٠)

درج بالا واقعہ کے فوائد ونتائج:-

(۱) دشمنوں پر نگاہ رکھنے کے لئے جاسوسوں اور سراغرسانوں کی خدمات لینا جائز ہے۔

() ایک مسلمان آخری دم تک لڑتا ہے اور جب تک مزاحمت اور مقابلہ کی گنجائش ہوتی ہے اپنے آپ کو دشمن کے حوالہ نہیں کرتا۔

(۳) اللہ تعالیٰ صالح مومن بندہ کی وفات کے بعد بھی حفاظت فرماتا ہے۔

(۴) مشرکین کے ساتھ ایفائے عہد، ان کے بچوں کے قتل سے اجتناب اور دشمنوں کے اہل خانہ کے ساتھ لطف ومہربانی کا معاملہ اسلامی تعلیمات کے روشن ابواب ہیں۔

(۵) اس قصہ سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہوتا ہے کہ حضرت خبیبؓ قید میں انگور کھاتے تھے۔

(۶) مشرکین کے خلاف بددعا کی جاسکتی ہے۔

(۷) قتل سے پہلے اپنے پروردگار کے حضور سجدہ ریز ہونا مومنانہ ومجاہدانہ شان ہے۔

(۸) حضرت خبیبؓ کا صبر واستقلال ان کے سینہ میں موجود ایمان ویقین کی فولادی قوت کا غماز ہے۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے بال وپر روح الامیں پیدا

(۹) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کو رفع درجات کے لئے آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مومن زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی قابل احترام ہے۔

(۱۱) یہ واقعہ اللہ کے نبی صلعم کی نبوت کی دلیل بھی ہے، اس لئے کہ روایتوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم بن ثابتؓ کی دعا سن لی تھی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی اس واقعہ کی اطلاع کر دی تھی۔ قالہ العینی (۲۹۴/۱۴)

جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، واپسی میں آپؐ نے ایک کانٹے دار درختوں والی وادی میں قیلولہ کے لئے قیام فرمایا، ہم لوگوں کی عادت تھی کہ جب بھی پڑاؤ کرتے سب سے زیادہ سایہ دار درخت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑ دیتے، چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا، ایک سایہ دار درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کا انتظام کر کے ہم لوگ منتشر ہو گئے اور سب مختلف درختوں کے سایے میں تھوڑی دیر ستانے کے لئے لیٹ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس درخت کے نیچے آرام فرما تھے اسی پر آپ کی تلوار لٹکی تھی، کچھ دیر بعد ایک مشرک آیا اور تلوار سونت کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''بتاؤ، تم مجھ سے ڈرتے ہو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں'' اس نے پھر پوچھا ''اچھا، آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا اللہ تم سے میری حفاظت کرے گا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اعتمادی و خدا اعتمادی دیکھ کر وہ ایسا مرعوب ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ہاتھ میں اٹھا کر فرمایا ''اب بتاؤ، تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟'' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی شرافت و بردباری کا واسطہ دیکر معافی چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے سخت ترین جانی دشمن کو بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کرنے کا عہد لے کر معاف کر دیا۔ أخرجه أحمد (۳۱۱/۳) ومسلم (۸٤۳)

درج بالا واقعہ سے اخذ کردہ نتائج وفوائد:-

(۱) اللہ کی طرف سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا غیبی انتظام تھا (واللہ یعصمک من الناس)

(۲) اللہ کے نبی صلعم کو اپنے رب کی حمایت ونصرت پر پورا اعتماد اور کامل توکل تھا۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شجاعت و بہادری، ایمانی قوت و طاقت اور حلم و بردباری کا پیکر تھے۔

(۴) لشکر جب کہیں پڑاؤ کرے تو فوجی ایک دوسرے سے ہٹ کر آرام کر سکتے ہیں جبکہ کوئی خطرہ نہ ہو۔

اور وہ ٹوٹ کر بکھر گیا

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے موقع پر ہم کھدائی کر رہے تھے کہ ایک بڑا اور سخت پتھر سامنے آ گیا، سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک بہت سخت پتھر سامنے آ گیا ہے جو خندق کھودنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''چلو میں چلتا ہوں'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے حالانکہ بھوک کا یہ عالم تھا کہ کمر سیدھی رکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے، تین روز سے ہمارے پیٹ میں کچھ نہیں پڑا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر تشریف لائے، کدال اٹھائی اور اس پتھر پر ماری، پتھر ریت کے تودے کی طرح ٹوٹ کر بکھر گیا، میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! تھوڑی دیر کے لئے مجھے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمادیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر میں سیدھا گھر پہونچا اور اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ''ہاں کچھ جو ہے اور ایک بکری کا بچہ ہے'' میں نے بکری کے بچہ کو ذبح کیا، جو کو پیسا اور ایک دیگچی میں گوشت چڑھا دیا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو اس وقت آٹا گوندھا جا چکا تھا اور گوشت چولھے پر چڑھایا جا چکا تھا اور بس پکنے ہی والا تھا، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے تھوڑے

بہت کھانے کا انتظام کیا ہے، آپ اور دو ایک آدمی تشریف لے چلیں، آپ نے دریافت فرمایا ''کتنا کھانا ہوگا؟'' میں نے تفصیل بتائی، آپ نے یہ سن کر فرمایا ''یہ تو بہت ہے اور خوب ہے، اپنے گھر میں کہنا کہ جب تک ہم نہ آجائیں نہ چولہے سے دیگچی اتاریں اور نہ تنور سے روٹیاں نکالیں'' پھر آپ نے فرمایا لوگو! بسم اللہ، چنانچہ تمام مہاجرین اور انصار کھڑے ہوگئے، جب میں اپنی بیوی کے پاس پہونچا اور اسے پوری صورتحال بتائی تو اس نے پوچھا ''کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کھانے کے بارے میں کچھ پوچھا تھا؟'' میں نے کہا ''ہاں! پوچھا تھا اور میں نے پوری تفصیل بھی بتادی تھی'' یہ سن کر وہ کچھ مطمئن ہوگئی، اتنے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور فرمایا ''لوگو! اندر چلو اور یہاں بھیڑ نہ لگاؤ'' آپ روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر گوشت رکھتے جاتے، اور گوشت اور روٹی لینے کے بعد دیگچی اور تنور کو ڈھک دیتے تھے اور اپنے اصحاب کرام سے سامنے کھانا پیش فرماتے تھے، پھر کپڑا ہٹا کر اسی طرح روٹی توڑتے، گوشت رکھتے اور صحابہ کرام کو دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کھانا نکال کر بڑھاتے رہے یہاں تک کہ سب خوب شکم سیر ہوگئے اور اس کے بعد بھی کھانا بچ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا ''لو! خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ اس لئے کہ سب لوگ اس وقت بھوک اور فاقہ سے پریشان ہیں''

أخرجه البخاری (۲۹۵/۷ الفتح)

ایک دوسری روایت میں ابوسکینہ ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ خندق کی کھدائی میں ایک جگہ ایک بڑی چٹان سامنے آگئی، لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ کو اس کی اطلاع کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو خود کدال اٹھائی اپنی چادر ایک طرف رکھا اور بسم اللہ کہکر اس پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس کا

تہائی حصہ ٹوٹ گیا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ آیت نکلی "تمت کلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلمته وهو السميع العليم" حضرت سلمان فارسیؓ قریب ہی کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کدال مارنے سے وہاں ایک روشنی سی ہوئی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی جس سے دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ گیا پھر وہی آیت کریمہ "وتمت كلمة ربك الخ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی، اس کے بعد تیسری ضرب لگائی جس سے باقی ماندہ حصہ بھی پاش پاش ہوگیا۔

پڑی ضرب سوم سنگیں چٹان اب پارہ پارہ تھی
نبی کے ہاتھ کی قوت جہاں میں آشکارا تھی

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے، اپنی چادر لی اور ایک طرف بیٹھ گئے، حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! آپ نے جتنی مرتبہ پتھر پر ضرب لگائی میں نے دیکھا کہ وہاں ایک بجلی سی چمکی، اس کی کیا وجہ تھی؟" اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "اے سلمان! کیا تم نے واقعی روشنی دیکھی تھی؟" انہوں نے عرض کیا "جی حضور" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب میں نے پہلی بار ضرب لگائی تھی تو مجھے کسری کے محلات اور اس کے قرب وجوار کے علاقے دکھائے گئے تھے حتی کہ میں نے یہیں کھڑے کھڑے بچشم خود ان کا مشاہدہ کیا" یہ سن کر وہاں موجود صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ہمیں ان ملکوں پر فتح عطا فرمائے اور ہمارے ہاتھوں ان مملکتوں کو ویران کرے، آپ نے صحابہ کی درخواست پر اسکی دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ دوسری مرتبہ مجھے حبشہ اور اس کے قرب وجوار کے شہر دکھائے گئے جنہیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ بھی ارشاد فرمایا

کہ جب تک اہل حبشہ تمہیں نہ چھیڑیں تم بھی ان سے جنگ نہ کرنا اور اسی طرح جب تک ترک تمہارے ساتھ صلح سے رہیں تم بھی ان کے ساتھ مصالحت سے رہنا۔

(أخرجه النسائي (٣١٧٦)

درج بالا واقعہ سے مستفاد اصول وفوائد:-

(۱) ایک کامیاب قائد اور لیڈر ہر کام میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ شریک رہتا ہے، ہر آسان اور مشکل کام میں ان کا ساتھ دیتا ہے اور اپنے اور ان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتا، آج امت مسلمہ کو نظریات پیش کرنے والے دانشوروں اور پرزور خطاب کرنے والے مقرروں سے زیادہ محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کرنے والے مخلصوں کی ضرورت ہے۔

کام دے نہیں سکتیں ممبر سے تقریریں
درد اہل مشرق کا مغربی ہیں تدبیریں

(۲) اللہ کے رسول صلعم کے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور آپ کا حد سے زیادہ ادب کرتے تھے۔

(۳) بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر باندھنا کام کرنے میں معاون ہوتا ہے اور پیٹھ کو جھکنے سے بچاتا ہے۔

(۴) کام چھوڑ کر جانے کے لئے رخصت اور اجازت لینے سے نظام باقی رہتا ہے اور بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۵) دعوت میں اپنے ساتھ دوسروں کو لے کے جایا جا سکتا ہے جب کہ اس بات کا پورا یقین ہو کہ داعی اس سے ناراض نہیں ہوگا۔

(۶) اجتماعی طور پر کھانا مستحب ہے۔

(۷) غزوہ خندق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی معجزوں کا ظہور ہوا (۱) ایک سخت اور بھاری چٹان کا توڑنا (۲) تھوڑے سے کھانے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زیادہ ہوجانا (۳) ایسی نازک حالت میں جبکہ مسلمانوں کو اپنے زندہ سلامت رہنے کا بھی یقین نہ تھا ان کو بڑی بڑی طاقتوں پر فتح وغلبہ کی بشارت دینا۔

(۸) میاں بیوی کو ایک دوسرے کی بات سننا اور اس کی رائے پر عمل کرنا چاہئے، اس سے ماحول خوشگوار رہتا ہے۔

(۹) کھانا پکانے اور کھلانے میں مہمانان کا اپنے میزبان کی مدد کرنا محمود و مستحسن ہے۔

(۱۰) اللہ کے رسول نے حضرت جابر کی اہلیہ کو چلتے وقت سخاوت اور فیاضی کی تعلیم دی تھی، یہ بھی ہمارے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے۔

(۱۱) حبشیوں اور ترکوں کو از خود چھیڑنے اور برانگیختہ کرنے کی ممانعت۔

مصور کھینچ وہ نقشہ کہ جس کی یہ ادائی ہو
ادھر حکم پیمبر ہو ادھر گردن جھکائی ہو

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ایک روز کوفہ کے ایک شخص نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے پوچھا ''اے ابوعبداللہ! کیا آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''ہاں! بحمد للہ، مجھے یہ سعادت حاصل ہے'' اس شخص نے پھر پوچھا ''اچھا یہ بتایئے وہ مبارک زمانہ آپ کا کیسا گزرا؟'' حضرت حذیفہ نے فرمایا ''بڑی ہی مشقت اور محنت کا زمانہ تھا'' یہ سن کر وہ آدمی بولا ''اگر ہمیں وہ زمانہ نصیب ہوتا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلکوں پر بٹھاتے اور زمین پر قدم رکھنے ہی نہ دیتے''۔

اس پر حضرت حذیفہؓ نے اسے غزوہ خندق کا واقعہ سنایا کہ جنگ خندق کا زمانہ تھا، رات کا وقت تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو ہم سے فرمایا ''کیا کوئی خدا کا بندہ جا کر دشمنوں کی خبر لا سکتا ہے؟ میں اس کے لئے دعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرے ساتھ رہے'' یہ سن کر چاروں طرف سناٹا چھا گیا کہیں سے بھی کوئی آواز نہیں آئی، سردی، بھوک اور خوف کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی اس مہم کو انجام دینے کی ہمت نہ کر سکا، آپ نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا، جب تیسری مرتبہ بھی سب خاموش رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے میرا نام لیکر فرمایا ''حذیفہ! تم جاؤ اور خبر لیکر آؤ'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بعد اب تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لہٰذا میں جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو آپ نے وصیت کی کہ ''دیکھو حذیفہ! تم جا کر کسی طرح ان لوگوں میں شامل ہو جانا اور ان کی نقل وحرکت اور کاروائیوں پر کڑی نگاہ رکھنا، لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تم خود کوئی قدم مت اٹھانا، جب تم اچھی طرح ان کے حالات دیکھ اور سمجھ لو تو خاموشی سے واپس چلے آنا''۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں چپکے سے جا کر ان لوگوں میں گھس گیا، میں نے دیکھا کہ تیز وتند یخ بستہ ہواؤں نے اور خدائی فوج (ملائکہ) نے ان کا برا حال کر دیا ہے، نہ ان کے برتنوں کو چھوڑا، نہ خیموں پر ترس کھایا اور نہ آگ ہی کو جلنے دیا، الغرض پورا نظام ان کا درہم برہم اور منتشر تھا، مجھے یہ دیکھ کر کچھ اطمینان ہوا، اتنے میں ابوسفیان کی آواز آئی کہ ہر شخص اپنے برابر والے کو دیکھ لے کوئی غیر تو نہیں بیٹھا، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے جیسے ہی یہ سنا فوراً اپنے برابر والے کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا ''تم کون ہو؟'' اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ فلاں بن فلاں ہوں، میں کہا نے اچھا ٹھیک ہے، جب ابو سفیان کو یہ اطمینان ہو گیا کہ کوئی غیر نہیں ہے تو اس نے کہا ''قریش کے لوگو! سنو، اب یہاں مزید ٹھہرنا مناسب نہیں، ہمارے خچر اور گھوڑے ہلاک ہو گئے، بنو قریظہ نے ہمیں دھوکہ دیا ہے، اس آندھی نے جو قیامت ڈھائی ہے وہ بھی تمہارے سامنے ہے، دیگچیاں تک ٹھہر نہیں رہی ہیں، آگ جلانا مشکل ہو رہا ہے، ہماری کوئی قیام گاہ اور جائے پناہ محفوظ نہیں رہی، اب یہاں سے چل نکلو، میں بھی واپس جانے کا ارادہ کر چکا ہوں، یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے اونٹ کی طرف بڑھا، اس پر سوار ہوا، رسی کھولی اور ایڑ لگا دی، حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت نہ فرمائی ہوتی کہ میں خود کوئی اقدام نہ

کروں تو میں اسے تیر مار ہلاک کر دیتا، پھر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا، مجھے سخت سردی کا احساس ہو رہا تھا، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہیں، جب آپ کی نگاہ مجھ پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کچھ حصہ میرے اوپر ڈال دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود کرتے رہے اور میں اسی چادر میں چھپا بیٹھا رہا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے پورا واقعہ سنایا۔ ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ بھی منقول ہے کہ میں رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں پڑا سوتا رہا، جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے سونے والے اٹھ''۔ رضی الله عنه وأرضاه۔

أخرجه ابن اسحاق كما فى سيرة ابن هشام (۲۴۴/۲۴۲/۳) ومسلم (۱۷۸۸)

دروس وفوائد:۔

(۱) ترغیب اور حکم میں فرق ہے، صحابہ کرام کے جواب نہ دینے اور خاموش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیباً یہ فرمایا تھا کہ کون دشمنوں کی جاسوسی کریگا لیکن جب آپ نے حکماً فرمایا تو حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ اب مجال انکار نہ تھی خواہ حالات کتنے بھی سخت ہوں۔

(۲) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد آتے ہی اپنے آپ کو روک لینا ایک سچ اور مخلص متبع کی شان ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت یاد آتے ہی اپنے آپ کو روک لیا تھا حالانکہ دشمن ان کے سامنے تھا اور وہ اسے مارنے پر پوری طرح قادر بھی تھے لیکن حکم پیمبر اجازت نہ دیتا تھا۔

(۳) دشمنوں کی جاسوسی کرنا اور ان کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت حذیفہؓ کے اخلاص کی وجہ سے ان کے لئے اس مشکل مہم کو آسان فرمادیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بندہ اخلاص کے ساتھ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں(**ومن يتق الله يجعل له من أمره يسرا**)

(۵) حضرت حذیفہؓ اتنے ہوشیار اور بیدار مغز تھے کہ جوں ہی ابوسفیان نے اپنے آدمیوں کو اپنے آس پاس دیکھنے کا حکم دیا کہ کوئی جاسوس تو موجود نہیں ہے تو انہوں نے قبل اس کے کہ ان سے کوئی پوچھتا اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر الٹا اس سے استفسار شروع کر دیا۔

(۶) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ لطف وعنایت کا خصوصی معاملہ فرماتے تھے۔

(۱۰) (**ولله جنود السمٰوات والأرض**) زمین وآسمان کی تمام چیزیں خدا کی تابع اور غلام ہیں وہ جس سے چاہے جو کام لے لے۔

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ خندق کے موقع پر میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی کہ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعدؓ اپنے بھتیجہ حارث بن اوسؓ کے ساتھ ہاتھ میں ڈھال لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے تھے اور یہ شعر زبان پر جاری تھا:

والبث قليلا يدرك الهيجا حمل

ما أحسن الموت إذا حان الأجل

ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے، جب وقت آ گیا تو موت کا جام پینے میں کیا مضائقہ

حضرت سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہیں آتا دیکھ کر میں نیچے بیٹھ گئی، جب وہ گزر گئے تو پھر کھڑی ہوئی اور چلتی ہوئی ایک باغ میں پہونچی جہاں کچھ صحابہ کرامؓ موجود تھے، حضرت عمرؓ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، مجھ پر نظر پڑی تو بولے ''آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟ آپ بہت بیباک اور نڈر ہیں، اگر کچھ ہو گیا تو!'' انہوں نے مجھے اتنی لعنت و ملامت کی کہ مجھے یہ تمنا ہونے لگی اے کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتی، وہیں ایک شخص زرہ پہنے بیٹھا تھا، اس نے سر سے خود اٹھائی تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ ہیں، انہوں نے حضرت عمرؓ کی زبان سے جو یہ سخت سخت باتیں سنیں تو کہنے لگے ''اے عمر! بس کرو، بہت لعن طعن کر چکے، اللہ ہی

بہتر حفاظت کرنے والا ہے''۔ ع

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر است

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جنگ کے دوران قریش کے ایک آدمی ابن العرقہ نے تاک کر حضرت سعدؓ کے کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، حضرت سعدؓ نے اس موقع پر دعا کی اے اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دے جب تک میں بنوقریظہ کا انجام خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں، یہ قبیلہ جاہلیت میں ان کا حلیف اور حمایتی تھا اور جنگ خندق میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے بڑی غداری کی تھی، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوئی اور زخم اچھا ہونے لگا، ادھر اللہ تعالیٰ نے تیز و تند یخ بستہ آندھیوں کے ذریعہ مشرکین کے لشکر کو درہم برہم کر دیا اور ان کی متحدہ افواج جو بڑے دنوں کی محنت کے نتیجہ میں تیار ہوئی تھی بکھر کر اپنے اپنے گھر کو چلی، دوسری طرف بنوقریظہ نے بھی پیچھے ہٹ کر اپنے پرشکوہ اور ناقابل تسخیر قلعوں میں پناہ لی، اللہ کے رسول بھی شہر میں واپس آ گئے اور مسجد کے صحن میں حضرت سعد بن معاذؓ کے علاج معالجہ کے لئے ایک خیمہ نصب کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کر دی، مدینہ پہونچے ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت جبریلؑ آپہونچے اور عرض کیا'' کیا آپ نے ہتھیار کھول دیے، بخدا ملائکہ نے اب تک ہتھیار نہیں رکھے ہیں، فوراً بنوقریظہ کی طرف چل کر ان کی خبر لیجئے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً زرہ پہنی اور لوگوں کو کوچ کا حکم دیدیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بنوغنم پر ہوا جو مسجد کے پڑوس میں رہا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا'' کچھ معلوم ہے تمہارے قریب سے ابھی کون گزرا تھا؟'' انہوں نے جواب دیا'' ہاں! حضرت دحیہ کلبیؓ گزرے تھے'' حضرت جبریلؑ عموماً حضرت دحیہ کلبی کے حلیہ میں آیا کرتے تھے۔

آپ نے تقریباً ایک مہینہ تک بنوقریظہ کا محاصرہ رکھا، جب محاصرہ سخت ہوا اور ان سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم کر کے قلعہ سے باہر آنے کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے ابولبابہ بن عبدالمنذر سے مشورہ چاہا، ابولبابہ نے اشارہ سے بتادیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تمہارے حق میں قتل ہی ہوگا، چنانچہ انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہے، انہیں حکم بنادیا جائے اس لئے کہ حضرت سعدؓ اور ان کا قبیلہ (اوس) جیسا کہ پہلے تذکرہ ہوا، بنوقریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور کر لی اور حضرت سعدؓ کو بلا بھیجا، انہیں ایک گدھے پر سوار کر کے اس شان سے لایا گیا کہ ان کی قوم کے لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے، ان لوگوں نے حضرت سعدؓ کو آتے ہوئے دیکھا تو بڑی عاجزی سے کہا ''ہم آپ کے حلیف، اتحادی اور بھائی بند ہیں اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم اس وقت مقہور و مغلوب ہیں'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت سعد ذرا بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور یوں ہی بے پرواہی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے حتی کے جب ان کے گھروں کے قریب پہونچ گئے تو اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ''اب وقت آگیا ہے کہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں لائے بغیر اللہ کی مرضی کے مطابق فیصلہ کروں ایک روایت میں حضرت ابوسعیدؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت سعدؓ گدھے پر سوار محاذ پر پہونچے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر صحابہ سے فرمایا ''کھڑے ہو اور اپنے سردار کو نیچے اتارو'' حضرت عمرؓ نے عرض کیا ''ہمارا سردار اور آقا تو صرف اللہ ہے'' آپ نے پھر فرمایا کہ انہیں نیچے اتارو پھر حضرت سعدؓ سے انکا فیصلہ معلوم کیا، انہوں نے فیصلہ کیا کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے، یہ فیصلہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم

نے بالکل اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے اس کے بعد حضرت سعدؓ نے دعا کی کہ اے میرے اللہ! اگر کبھی قریش کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے اور ہونے ہوں تو مجھے ان کا جواب دینے کے لئے زندہ رکھ اور اگر اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا یہ جنگی سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو مجھے اپنے پاس بلا لے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس فیصلہ کے بعد ان کے زخم جو کہ تقریباً مندمل ہو چکے تھے کھل گئے، انہیں خیمہ میں واپس لایا گیا جو اللہ کے رسول نے ان کے لئے مسجد کے صحن میں کھڑا کروایا تھا اور وہیں ان کی وفات ہوئی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان کے آخری دیدار کو پہونچے تو بے اختیار رو پڑے حتی کے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے کمرے میں تھی اور تینوں کے رونے کی آوازوں کو الگ الگ پہچان سکتی تھی، وہ لوگ ارشاد باری تعالیٰ "رحماء بینہم" کی سچی تصویر تھے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

أخرجه احمد (٦/١٤١، ١٤٢) وابن حبان (٦٩٨٩)

دروس وفوائد:-

(۱) ام المومنین حضرت عائشہؓ بڑی باحیا اور باپردہ خاتون تھیں کہ مرد کی آہٹ سن کر فوراً چھپ گئیں، مبادا ان پر نظر پڑ جائے۔

(۲) جنگ میں رجزیہ اشعار مہمیز کا کام دیتے ہیں۔

(۳) شہادت کی تمنا جائز ہے جبکہ یوں ہی مصائب سے گھبرا کر مرنے کی تمنا کرنا ممنوع اور ناجائز ہے۔

(۴) حضرت جبریلؑ کا حضرت دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آنا ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔

(۵) دشمن کا محاصرہ جائز ہے۔

(۶) مسلمانوں کے راز کو ظاہر کرنا خیانت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابولبابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ بڑے پشیماں ہوئے اور مسجد نبوی کے ستون سے اپنے آپ کو اس وقت تک باندھے رکھا جب تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول نہیں فرمالی۔ (رضی اللہ عنہ)

(۷) فریقین کی باہمی رضامندی سے جسے ثالث اور حکم بنایا گیا ہو اس کا فیصلہ ہر حال میں قبول کرنا ہوگا۔

(۸) کوئی بلند مرتبہ شخص اپنے کم درجہ کے آدمی کو حکم بنا سکتا ہے۔

بس اسکی زبان سے ایک چیخ نکلی اور قصہ تمام ہوا

حضرت براء سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ انصاری صحابہ کرام کو ابورافع نامی ایک یہودی کے قتل پر مامور کیا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیفیں دیا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر قسم کی سرگرمی اور مہم میں دامے، درمے، سخنے شریک رہا کرتا تھا، اس وقت وہ حجاز میں اپنے پر شکوہ قلعہ میں مقیم تھا، صحابہ کرام کی یہ جماعت جس کے امیر حضرت عبداللہ بن عتیک تھے جب قلعہ کے نزدیک پہونچی تو اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ مویشیون کو لیکر گھر واپس جا چکے تھے، حضرت عبداللہ نے فرمایا ''تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں جا کر کسی تدبیر سے اندر جانے کی کوشش کر رہا ہوں، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور کچھ لوگ ایک گدھے کو جو کہیں کھو گیا تھا تلاش کرنے کے لئے نکلے، جب وہ لوگ اندر جانے لگے تو میں وہیں چہرہ پر ڈھاٹا باندھ کر قضائے حاجت کے لئے بیٹھ گیا، دربان نے یہ سمجھ کر کہ یہ بھی قلعہ کا ہے، اندر کا آدمی ہے مجھے پکارا اے اللہ کے بندہ! جلدی کرو، میں دروازہ بند کرنے جارہا ہوں، لہٰذا جلدی سے فارغ ہو کے قلعہ کے اندر آیا اور ایک طرف چھپ کر بیٹھ گیا، جب سب لوگ اندر آ گئے تو اس نے دروازہ بند کر کے چابیاں طاقچہ میں رکھدیں، اس کے جانے بعد میں نے وہاں سے چابیاں اٹھا کر دروازہ کھول دیا، اس وقت ابورافع بالائی منزل میں اپنے مصاحبوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا، جب اسکی مجلس برخاست ہوئی اور سب لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو میں اوپر

چڑھا، راستہ میں جتنے دروازوں سے میرا گزر ہوا سب کو اندر سے بند کرتا گیا تا کہ اگر ان لوگوں کو اطلاع بھی ہو جائے تو تب بھی وہ ابو رافع کے قتل سے پہلے مجھ تک نہ پہونچ سکیں، کئی دروازوں سے گزر کر ابو رافع تک پہونچ گیا، وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایک تاریک کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، تاریکی کی وجہ سے مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف ہے لہٰذا میں نے اسے آواز دی، وہ سن کر چونک پڑا اور پوچھا کون ہے؟ میں تیزی سے آواز کی طرف لپکا اور جوش کے عالم میں اس پر تلوار کا ایک زوردار وار کیا جس سے اسے کوئی خاص نقصان نہیں پہونچا، بس اس کی زبان سے ایک چیخ نکلی، میں فوراً باہر نکل آیا، پھر تھوڑی دیر بعد پھر اندر پہونچا اور آواز بدل کر پوچھا ''ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟ اس نے کہا'' ارے تمہارا برا ہو، گھر کے اندر کوئی آدمی ہے جس نے مجھ پر تلوار سے وار کیا ہے'' میں نے پھر ایک زوردار وار کیا جس نے اسے ڈھیر کر دیا لیکن یہ وار بھی پوری طرح کامیاب نہیں ہوا، اس کے منہ سے پھر ایک دہلا دینے والی چیخ نکلی جسے سن کر اس کے گھر والے اٹھ گئے، میں پھر وہی طریقہ اختیار کیا کچھ دیر باہر کھڑا ہو کر اندر آیا اور آواز بدل کر اس کی خیریت دریافت کی گویا مدد کے لئے آیا ہوں، میں نے دیکھا کہ وہ پیٹھ کے بل سیدھا زمین پر پڑا ہے، یہ دیکھ کر میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر اس زور سے اسے دبایا کہ ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز آنے لگی، میں سمجھ گیا کہ کام ہو چکا ہے، گھبرایا ہوا واپس آیا، جب سیڑھی کے پاس پہونچا تو پیر پھسل گیا اور میں نیچے آ گرا جس سے میرا پیر ٹوٹ گیا، میں نے اپنا عمامہ کھول کر پیر پر باندھ لیا اور لنگڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا اور کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری دو میں اس کی موت کا اعلان ہونے تک یہیں رہوں گا جب صبح ہوئی تو قلعہ کی فصیل پر کھڑے ہو کر ایک شخص نے اس کی موت کا اعلان کیا، میں یہ اعلان سن کر فوراً دوڑا دوڑا اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا اور انہیں بتایا کہ کہ الحمد للہ! اللہ نے اس ظالم کو ہلاک

کردیا، پھر ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پورا واقعہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنا پیر پھیلاؤ'' میں نے اپنا پیر پھیلا دیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا تو وہ ایسا اچھا ہوگیا جیسے کبھی کوئی چوٹ ہی نہ لگی ہو۔ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واُصحابہ اُجمعین۔

أخرجه البخاری (۷ئ۔۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲)

درج بالا واقعہ سے مستفاد فوائد ونتائج:۔

(۱) یہودی بڑے بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں، ہمیشہ قلعوں میں مکمل حفاظتی انتظامات کے رہتے ہیں۔

(۲) صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

(۳) احتیاط اور چوکسی کسی بھی مہم کو انجام دہی میں بڑی مفید ہے۔

(۴) اظہار ہمدردی سے لوگوں کے دلوں کو جیتا جا سکتا ہے۔

(۵) جس مشرک تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو اور پھر بھی وہ اپنے کفر وشرک پر قائم ظالمانہ روش اختیار کئے ہو اس کا قتل جائز ہے۔

(۶) اسلام مخالف سرگرمیوں میں حصہ لینے والے اسلام دشمن عناصر کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

(۷) مشرکین کے خلاف مقابلہ آرائی میں شدت وسنگدلی کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

(۸) مصلحتاً غیر مفہوم اور گول مول بات کی جا سکتی ہے۔

(۹) اگر ہمت وحوصلہ اور دانائی کے ساتھ کام کیا جائے تو تھوڑے سے مسلمان کفار کی بڑی تعداد کو شکست دے سکتے ہیں۔

(۱۰) کسی دلیل اور قرینہ کی بنیاد پر ہی فیصلہ کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عتیک نے ابورافع کی موت کے اعلان پر ہی اس کے مرنے کا یقین کیا۔

(۱۱) معاہدہ اور صلح کر کے دارالاسلام میں رہنے والے کافر کو عہد شکنی پر قتل کیا جاسکتا ہے۔

(۱۲) دشمنوں کے خلاف جاسوسی کرنا اور موقع پا کر انہیں قتل کر دینا جائز ہے۔

آئے بہت پاک مکرم بن کر
کوئی نہ آیا مگر رحمت عالم بن کر

حضرات عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء اصلا بنوعقیل کے ایک آدمی کی تھی جسے مسلمانوں نے قید کر کے اس سے اس کی اونٹنی چھین لی تھی، وہ رسیوں سے بندھا ہوا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا، آپ گدھے پر سوار تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر ایک چادر پڑی تھی، اس نے آپ کو پکار کر کہا ''اے محمد! مجھے کس جرم میں قید کیا گیا ہے اور سفر حج میں استعمال ہونے والی اس اونٹنی کو آپ لوگوں نے کیوں پکڑا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''تمہارے حلیف اور اتحادی قبیلہ بنوثقیف کی ایک سنگین غلطی کی وجہ سے ہم نے تمہیں پکڑا ہے'' راوی کہتے ہیں کہ بنوثقیف نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر لیا تھا، اس شخص نے دوران گفتگو یہ کہہ کر بھی اپنی رہائی کی کوشش کی کہ میں مسلمان ہوں، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم گرفتار ہونے سے پہلے اس کا اظہار کرتے تو بچ جاتے لیکن اب وقت نکل چکا، ہم فدیہ کے بغیر تمہیں آزاد نہیں کریں گے، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھنے لگے تو اس نے کہا ''اے محمد! میں بھوکا پیاسا ہوں، کچھ کھانے پینے کو تو دیجئے'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں! تمہاری یہ بات قابل توجہ ہے'' پھر ان دو مسلمانوں کی رہائی کے عوض اسے آزاد کر دیا گیا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم عضباء کو اپنی سواری کے لئے اپنے پاس ہی رکھا، پھر ایک روز کفار مدینہ کے مویشیوں پر حملہ کر کے انہیں لے گئے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء بھی تھی، وہ لوگ ایک مسلمان عورت کو بھی اپنے ساتھ قید کر کے لے گئے، وہ جب کہیں پڑاؤ کرتے تو اونٹوں کو اپنے قریب ہی باندھتے، ایک رات جب سب سو گئے تو وہ عورت چپکے سے اٹھ کر اونٹوں کی طرف چلدی، وہ جب بھی کسی اونٹ کے پاس پہونچتی وہ بلبلانا شروع کر دیتا لیکن جب وہ عضباء کے پاس پہونچی تو وہ توقع کے خلاف ایک مانوس اور سدھائے ہوئے جانور کی ایکدم خاموش کھڑی رہی، یہ دیکھ کر وہ عورت اس پر سوار ہوئی اور اسے مدینہ کی طرف ہانک دیا اور یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے اسے ان ظالموں سے بچالیا تو وہ اللہ کے لئے اس اونٹنی کو ذبح کر دے گی، جب وہ مدینہ پہونچی اور لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ہے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نذر کا تذکرہ کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا "واہ بھئی! تم نے بھی اسے خوب بدلہ دیا، اللہ نے اس کے ذریعہ سے تمہیں بچایا اور تم ہو کہ اسے مار ہی دینا چاہتی ہو" پھر آپ نے فرمایا " لا وفاء لنذر فی معصیة الله ولا فیما لا یملك ابن آدم " (نہ گناہ کے کام کے لئے مانی گئی نذر کا پورا کرنا ضروری ہے اور نہ کسی دوسرے کے مال کے سلسلہ میں مانی گئی منت کی تکمیل ضروری ہے)

أخرجه أحمد (٤/٤٣٠، ٤٣٣، ٤٣٤) ومسلم (١٦٤١)

دروس وفوائد:-

(۱) قیدیوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کرنا چاہئے۔

(۲) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ متواضع اور رحم دل تھے کہ ایک قیدی کے اس

طرح گستاخانہ انداز میں پکارنے پر بھی خفگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۳) ہم ظاہر کے مکلف ہیں باطن کا حال اللہ جانے۔

(۴) کسی شخص کو اس کے حلیف یا ماتحت کے جرم میں پکڑا جا سکتا ہے۔

(۵) قید ہونے کے بعد قبول اسلام غلامی کے منافی نہیں ہے یعنی اگر کسی کافر نے قید میں اسلام قبول کر لیا ہے تو اسے غلام رکھا جا سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسے بطور احسان کے معاف کر دیا جائے۔

(۶) اس واقعہ سے ایک مسلم خاتون کی شجاعت اور حسن تدبیر کا بھی علم ہوتا ہے۔

(۷) گناہ کے کام کی منت مانی جائے تو پوری نہیں کرنی چاہئے۔

(۸) دوسرے کے مال میں نذر ماننا جائز نہیں۔

(۹) اس واقعہ سے فقہاء کے لئے حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نذر معصیت کا کفارہ نہیں ہے۔

(۱۰) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عضباء اور قصواء دو الگ الگ اونٹنیاں تھیں، اس لئے کہ قصواء وہ اونٹنی ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی۔ کمافی شرح الزرقانی علی المواہب (۳/۳۹۰)

(۱۱) یہ بات مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کے ساتھ احسان کے بدلہ میں بدسلوکی کرے خواہ وہ محسن جانور ہی کیوں نہ ہو۔

(۱) اللہ کے نبی صلعم بڑے مہربان اور نرم دل کہ ایک اونٹنی کے ساتھ ناانصافی بھی گوارہ نہیں فرمائی۔

بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو جویریہ بنت حارث، ثابت بن قیس بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصہ میں آئیں، وہ بے پناہ خوبصورت اور حسین وجمیل تھیں، جو بھی انہیں دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، انہوں نے اپنے آقا سے کچھ پیسوں پر مکاتبت کرلی اور بدل کتابت کی ادائیگی کے لئے مدد کی درخواست لیکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انہیں اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر مجھے کچھ ناگواری ہوئی کہ کہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے متاثر نہ ہوجائیں، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا ''یا رسول اللہ! میرا نام جویریہ ہے میں اپنے قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں، میں اس وقت کس آزمائش میں مبتلا ہوں آپ دیکھ رہے ہیں، میں ثابت بن قیس (یا ایک روایت کے مطابق ان کے چچازاد بھائی) کے حصہ میں آئی ہوں اور میں کچھ پیسوں پر اس سے معاہدہ کرلیا ہے، اب آپ کے پاس اس کی ادائیگی کے لئے مدد کی درخواست لے کر آئی ہوں'' آپ نے فرمایا ''اگر اس سے بہتر کوئی صورت نکل آئے تو؟'' انہوں نے پوچھا ''وہ کیا اللہ کے رسول؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہارا بدل کتابت ادا کرکے تم سے شادی کرلیتا ہوں'' انہوں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسل! میں بخوشی تیار ہوں'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب لوگوں کو حضرت جویریہ بنت حارثؓ کے ساتھ اللہ کے رسول کی شادی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدیوں کو اس بنیاد پر آزاد کر

دیا کہ اب یہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ دار ہو گئے ہیں، انہیں غلام رکھنا بے ادبی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے شادی کرنے کی وجہ سے بنو مصطلق کے سیکڑوں آدمیوں کو آزاد کر دیا گیا، میری نظر میں اپنی قوم کے حق میں ان سے بابرکت ثابت ہونے والی کوئی عورت نہیں کہ ایک اس کی وجہ سے اس کی قوم کے سیکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔

رضی اللہ عنہا وأرضاھا۔ رواہ احمد (۲۷۷/۶) وابو داؤد (۳۹۳۱)

دروس وفوائد:-

(۱) اس قصہ سے مال غنیمت کی تقسیم کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

(۲) اسی طرح اس حدیث سے مکاتبت کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے (مکاتب کہتے ہیں غلام یا باندی کا اپنے آقا سے کچھ مال میں آزادی کا معاہدہ کرنے کو)

(۳) غیرت عورت کی فطرت میں داخل ہے۔

(۴) اسلام نے شادی سے پہلے عورت کی رائے اور رضامندی معلوم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

(۵) حضرات صحابہ اللہ کے نبی صلعم سے اس قدر محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ داروں کو اپنے پاس غلام بنا کر رکھنا گوارہ نہیں کیا۔

(۶) حضرت عائشہؓ کا اپنی سوکن کی تعریف کرنا ان کی اعلیٰ ظرفی وحقیقت پسندی کی دلیل ہے۔

(۷) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت جویریہؓ سے شادی کرنے کے پیچھے

بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:-

(۱) بدل کتابت کی ادائیگی میں ان کا تعاون (۲) ان کی کفالت کرنا، اس لئے کہ ان کے شوہر جنگ مریسیع میں قتل کر دیئے گئے تھے (۳) اسیران جنگ کی رہائی کی تدبیر (۴) ان کے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا چنانچہ ایسا ہوا بھی کہ وہ لوگ بڑی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

نوٹ:- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہؓ سے شادی کرنا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نہیں بلکہ درج بالا وجوہات اور اسی طرح دیگر بعض مالی مصالح بنیاد پر تھا، حضرت عائشہؓ نے جو کچھ فرمایا وہ ان کی ذاتی رائے تھی جس میں ان کی غیرت کا بھی بڑا دخل تھا" واللہ ولی التوفیق"

گوہر وہی ہے جو کسی طوفاں میں پل گیا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، جس کا نام نکلتا اسی کو سفر پر لیکر جاتے، چنانچہ جب بنو مصطلق کا معرکہ پیش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق قرعہ ڈالا، اس مرتبہ میرا نام نکل آیا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ لیکر سفر پر روانہ ہوئے، اس وقت عورتیں اس خوف سے کہیں موٹی نہ ہو جائیں بہت ہلکا پھلکا کھانا کھایا کرتی تھیں، میرا وزن بھی اس زمانہ میں بہت کم تھا، اس سفر میں معمول یہ رہا کہ جب کوچ کا وقت ہوتا تو میں اپنے ہودج میں بیٹھ جاتی، کچھ لوگ جو پہلے سے مامور تھے آتے، ہودج کو نیچے سے پکڑ کر اٹھاتے اور اونٹ کی پیٹھ پر رکھ دیتے، پھر اسے کس کر رسیوں سے باندھ دیتے اور اونٹ کو لیکر چلدیتے، پورا سفر اسی طرح طے ہوا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے فارغ ہو کر واپس آئے تو راستہ میں مدینہ سے قریب ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا اور وہیں رات کا کچھ حصہ گزارا، میں قضاء حاجت کے لئے چلی گئی، اتنے میں کوچ کا اعلان ہو گیا، واپس آئی تو دیکھا کہ میری گردن سے ہار غائب ہے، میں اسے تلاش کرنے کے لئے پھر وہاں چلی گئی، جب ہار تلاش کر کے واپس آئی تو قافلہ جا چکا تھا، ہوا یہ کہ جب کوچ کا اعلان ہوا تو لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ میں ہودج میں ہی ہوں اسے اٹھا کر اونٹ کی پیٹھ پر باندھ دیا اور آگے روانہ ہو گئے، میں چونکہ بالکل ہلکی پھلکی تھی اس لئے انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ میں اسمیں موجود نہیں ہوں، بہر حال جب لوگ چلے گئے تو میں چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئی جہاں

قافلہ نے منزل کی تھی، اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ جب میں نہیں ملوں گی تو لوگ مجھے تلاش کرنے وہیں آئیں گے، میں وہیں لیٹی ہوئی تھی کہ حضرت صفوان بن معطلؓ جو قافلہ کے پیچھے پیچھے آرہے تھے میرے قریب سے گزرے، انہیں جو ایک انسان لیٹا نظر آیا تو آگے بڑھے اور غور سے مجھے دیکھا، وہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، لہٰذا فوراً پہچان گئے اور بولے ''إنا للہ وإنا إلیہ راجعون'' اللہ کے رسول کی زوجہ اس بیابان میں؟'' پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا'' آپ پر اللہ کی رحمت ہو، آپ پیچھے کیسے رہ گئیں؟'' میں نے کچھ جواب نہیں دیا تو اپنا اونٹ آگے کر کے کہا کہ اس پر سوار ہو جایئے اور خود پیچھے ہٹ گئے، میں سوار ہوگئی، انہوں نے نکیل تھامی اور تیزی سے قافلہ کے پیچھے روانہ ہوگئے، صبح ہونے تک قافلہ والوں میں میری گمشدگی کی اطلاع نہیں ہوئی، انہوں نے حسب معمول ایک منزل پر قیام کیا اور آرام کرنے لگے، اتنے میں دیکھا کہ ایک آدمی مجھے اپنے ساتھ لیکر آرہا ہے، بس پھر کیا تھا منافقوں اور شورش پسندوں نے کذب وافترا اور تہمت و بہتان کا وہ طوفان اٹھایا کہ پورا لشکر لرز گیا، مجھے کچھ معلوم بھی نہیں تھا کہ کیا ہوا، پھر ہم مدینہ پہونچے وہاں پہنچ کر میں کچھ بیمار ہوگئی، مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ باہر میرے خلاف کیسا ناپاک پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والدین کو اس بات کی اطلاع ہوچکی تھی لیکن انہوں نے مجھ سے بالکل تذکرہ نہیں کیا، ہاں اتنا ضرور ہوا کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا سا پیار اور لطف وکرم نظر نہیں آیا، پہلے جب کبھی میں بیمار ہوتی تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ بڑی لطف وعنایات کا معاملہ کرتے تھے، اس مرتبہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آتے، میری والدہ تیمارداری کرتی ہوتیں، خیریت پوچھ کر خاموشی سے واپس چلے جاتے، نہ دعا نہ تسلی، نہ لطف وعنایت کی باتیں نہ کچھ اور، مجھے یہ سب بڑا عجیب سا لگتا تھا، حتیٰ کہ مجھے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ رویہ کچھ ناگوار سا ہونے لگا اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مائیکے جانے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی سے اجازت دیدی، اجازت پاکر میں گھر چلی آئی، مجھے اب تک ان باتوں کا بالکل علم نہیں تھا جو گھر گھر میں میرے بارے میں ہورہی تھیں حتی کہ میں اس طویل بیماری کی وجہ سے سوکھ کر بالکل کانٹا ہوگئی ہم لوگوں کے یہاں عرب میں عجمیوں کی طرح گھروں کے اندر بیت الخلاء بنانے کا رواج نہیں تھا، ہم اس نظام اور طرز معیشت کو ناپسند کرتے تھے اور کھلے میدان میں قضاء حاجت کے لئے جاتے تھے، عورتیں رات میں حاجت پوری کرنے کے لئے جایا کرتی تھی، ایک رات میں ام مسطح بنت ابی رھم کے ساتھ قضاء حاجت کے لئے گئی، راستہ میں وہ اپنی چادر میں الجھ کر رہ گئی، گرتے ہی اس کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا ''برا ہو مسطح کا'' (مسطح بن اثاثہ ان لوگوں میں تھے جو افتراء پردازوں کے بہکاوے میں آکر حضرت عائشہؓ کی طرف غلط سلط باتیں منسوب کرنے لگے تھے، ان کا اصلی نام عوف تھا) میں نے اس کی زبان سے یہ بات سنی تو فوراً ٹوکا ''ایک مہاجر صحابی کو جس نے جنگ بدر میں بھی شرکت کی ہے ایسی سخت بات کہنا نامناسب عمل ہے'' اس نے تعجب سے پوچھا ''اے بنت ابوبکر! کیا تمہیں کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہورہا ہے؟'' میں نے کہا ''کیا ہورہا ہے؟'' اس نے مجھے بہتان تراشوں اور شرپسندوں کی پوری داستان سنائی، میں سن کر حیران رہ گئی اور تعجب سے پوچھا '' کیا واقعی میرے بارے میں ایسا کہا جارہا ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں، سب یہی کہہ رہے ہیں'' یہ سن کر میرا ایسا برا حال ہوا کہ قضاء حاجت بھی نہ کرسکی فوراً گھر واپس آئی اور اتنا روئی کہ معلوم ہوتا تھا جگر پھٹ جائے گا، میری والدہ آئیں تو میں ان سے شکایت کی ''لوگ میرے بارے میں کیا کیا کہہ رہے ہیں اور آپ نے مجھے کچھ بتایا بھی نہیں، انہوں نے کہا ''بیٹی! زیادہ پریشان نہ ہو، یہ تو دنیا میں ہوتا ہی ہے، شاید ہی کوئی خوبصورت عورت ایسی ہو جس سے اس کا شوہر محبت

کرتا ہو اور اس کی سوکنیں اور حاسدین اس پر کیچڑ نہ اچھالیں''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انہی دنوں ایک روز آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے بڑے درد و کرب سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا جو وہ میرے گھر والوں کے سلسلہ میں مجھے تکلیف دیتے ہیں اور ان کی طرف غلط سلط باتیں منسوب کرتے ہیں، خدا کی قسم مجھے اپنے گھر والوں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے وہ اطمینان بخش ہی ہے، لوگوں نے اس معاملہ میں جن صاحب کا ذکر کیا تھا وہ بھی قابل اعتماد ہے اور ان کے بارے میں میں نے کبھی کوئی ایسی ویسی بات بھی نہیں سنی، وہ جب کبھی میرے گھر آتے تو میرے ہمراہ آتے تھے، اوس کے کچھ لوگ یہ سن کر غیظ و غضب سے بھر گئے اور حضرت اسید بن حضیرؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر وہ ہمارے قبیلہ اوس کے لوگ ہیں تو ہم انہیں دیکھ لیں گے اور اگر ان کا تعلق خزرج سے تو آپ حکم فرمایئے، ہم تعمیل کے لئے تیار ہیں، بخدا ایسے بد بخت لوگ گردن زدنی اور واجب القتل ہیں، وہ کسی قسم کی رعایت کے مستحق نہیں''، عبداللہ بن ابی کا جو اس فتنہ کا اصل مجرم تھا خزرج سے تعلق تھا، حضرت اسید کی یہ گفتگو سن کر قبائلی حمیت پیدا ہونے لگی اور دونوں قبیلے جوش میں آ گئے حتی کہ ادھر سے حضرت سعد بن عبادہ جو بڑے بھولے بھالے اور معصوم سمجھے جاتے تھے کھڑے ہوئے اور غصہ میں کہا ''اسید! خدا کی قسم تم نے غلط بات کہی، ان لوگوں کی گردن نہیں ماری جا سکتی، تمہارے اس قدر ناراض ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے ان لوگوں کا تعلق خزرج سے ہے، اگر وہ تمہاری قوم کے ہوتے تو تم کبھی یہ بات نہ کہتے''۔

حضرت اسید نے کہا ''تم جھوٹ بولتے ہو، تم منافق ہو اور منافقوں کی پشت پناہی کرتے ہو''، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان باتوں سے حالات کشیدہ ہو گئے، دونوں قبیلے کے لوگ جوش میں آ گئے اور گرما گرمی اتنی بڑھی کہ قریب تھا کہ اوس و خزرج باہم دست

وگریباں ہو جائیں لیکن رسول اللہ صلعم کے فہم وتدبر اور حلم و بردباری کی برکت سے یہ بات وہیں دب گئی۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور حضرت علی بن ابوطالبؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو بلا کر ان سے مشورہ فرمایا، حضرت اسامہؓ نے تو سیدھا جواب دیا کہ رسول اللہ! آپ کے اہل خانہ کے متعلق ہم خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے، یہ سب سراسر جھوٹ اور بکواس ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت بریرہ کو بلا کر میرے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "عائشہ بھلی عورت ہے، میں نے اس کے اندر صرف اتنی کمی دیکھی کہ میں آٹا گوندھ کر اسے آٹے کی نگرانی کی ذمہ داری دیکر کہیں چلی جاتی تو وہ سو جاتی اور اور بکری آ کر سارا آٹا کھا جاتی، یہی اس کے اندر ایک عیب ہے"۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے قریب تشریف لائے، میرے پاس میرے والدین اور ایک انصاری خاتون تھیں جو بری طرح رو رہی تھیں، میں بھی ان کے ساتھ رو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب آ کر بیٹھے، اللہ کی حمد وثنا کی، "تمہیں معلوم ہی ہو چکا ہے کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں، اللہ سے ڈرو اور اگر واقعی تم سے گناہ ہو گیا ہو تو فوراً اللہ سے توبہ کر لو، اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ میرے آنسو خشک ہو گئے، میں اس بات کا انتظار کرتی رہی کہ میرے والدین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبانوں پر مہر لگ گئی ہو، دونوں نے ایک جملہ بھی تو نہیں کہا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتی تھی کہ میری شان میں قرآن کریم کی آیت نازل ہو جسے قیامت تک نمازوں میں پڑھا جائے لیکن اتنی امید

ضرور تھی کہ اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کوئی ایسی چیز دکھا دے گا جس سے میری بے گناہی ثابت ہو جائے، یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے بارے میں قرآن کریم کی آیت نازل ہو جائیگی کیونکہ میں اپنے آپ کو کسی طرح اس لائق نہیں سمجھتی تھی، جب میں نے دیکھا کہ میرے والدین کچھ جواب ہی نہیں دے رہے ہیں تو میں نے ان سے پوچھا ''کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب نہیں دیں گے؟'' انہوں نے کہا ''بھلا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان دنوں آل ابوبکر پر جو مصیبت آئی تھی میں نہیں سمجھتی کہ کبھی کوئی گھر والے ایسی آزمائش میں مبتلا ہوں گے، جب میں نے دیکھا کہ میرے والدین بالکل خاموش ہیں تو بے اختیار میرے آنسو نکل آئے اور میں نے روتے روتے کہا ''بخدا میں ہرگز اس گناہ سے توبہ نہیں کروں گی جس کا آپ نے ذکر کیا، لوگ میری بابت جو کچھ کہتے ہیں اگر میں اس کا اقرار بھی کرلوں تب بھی میرا خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ اور معصوم ہوں اور اگر میں لوگوں کی باتوں کا انکار کرتی ہوں تو آپ حضرات میری بات ماننے کو تیار نہیں، لہٰذا خاموشی بہتر ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے حضرت یعقوب کا نام یاد کرنے کی کوشش کی لیکن جب مجھے یاد نہیں آیا تو میں نے ان کا نام لئے بغیر ہی اپنی بات اس طرح ادا کی کہ میں صرف وہی کہوں گی جو یوسف کے والد نے ان کی گمشدگی کے موقع پر کہا تھا ''فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون'' اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہی وہاں سے اٹھے ان پر وہی کیفیت طاری ہونے لگی جو نزول وحی کے وقت اکثر ہوا کرتی تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر اڑھا دی گئی اور چمڑے کا ایک تکیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے نیچے رکھ دیا گیا، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا ہے، مجھے بالکل فکر نہیں ہوئی، نہ میں بالکل گھبرائی، اس لئے کہ مجھے اپنے بے گناہی کا پورا یقین تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ میرا خدا

مجھ پر ظلم نہیں کرسکتا لیکن میرے والدین کی بے چینی اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ معلوم ہوتا تھا جان نکل جائیگی، انہیں اس بات کا غم کھائے جارہا تھا کہ کہیں اللہ کے طرف سے لوگوں کی بات کی تصدیق نہ نازل ہوگئی ہو، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور میں درخشاں موتیوں کا عکس جلوہ نما ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سے پسینہ پوچھتے جاتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مجھے مبارکباد دیتے جاتے تھے "اے عائشہ! مبارک ہو، اللہ عزوجل نے تمہاری برأت نازل فرمائی ہے" یہ سن کر میں فوراً اللہ کا شکر بجالائی۔

پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور صحابہ کرام سے ایک پرزور خطاب کیا جس میں آپ نے حضرت عائشہ کی برأت سے متعلق نازل ہونے والی آیت کریمہ پڑھ کر سنائی

"إن الذين جاء وا بالإفك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم ما اكتسب من الإثم والذى تولى كبره منهم له عذاب عظيم ولولا إذ سمعتموه ظن المؤمنون والمؤمنات بأنفسهم خيرا وقالوا هذا إفك مبين"

(جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے، ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال ہے اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا، جب تم نے وہ بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے) اس طرح اس زبردست فتنہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا اور یہ بات ایسی ختم ہوئی کہ معلوم ہوتا تھا کچھ ہوا ہی نہ ہو، اس بات کو صراحۃً زبان سے کہنے پر تین حضرات مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش پر اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حد جاری کی گئی۔ رضی الله عنهم و رضوا عنه۔
أخرجه احمد (٦/٥٩، ١٩٤—١٩٧)

اس واقعہ سے مستفاد اصول ونتائج:۔

(۱) عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا اور انہیں سفر یا غزوہ میں لے جانا جائز ہے۔
(۲) انسان کو جو فضیلت یا نعمت حاصل ہو اس کا تذکرہ کرنا اور ایسے لوگوں سے بیان کرنا جائز ہے، خواہ اس واقعہ میں بعض لوگوں کی تعریف یا مذمت کا پہلو نکلتا ہو، ہاں! البتہ یہ ضروری ہے کہ بیان کرنے والا اخلاص نیت اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ بیان کرے تاکہ لوگ اس واقعہ کو سن کر عبرت حاصل کریں، اور اس گناہ سے بچیں جس میں دوسرے لوگ پہلے ملوث ہو چکے ہیں۔
(۳) اصل موضوع پر آنے سے پہلے ذہن سازی اور فضا ہموار کرنے کے لئے کچھ تمہیدی گفتگو مفید ہوتی ہے۔
(۴) عورت کو پردہ کے معقول انتظام کے ساتھ سفر کرنا چاہئے۔
(۵) عورت پردہ میں رہتے ہوئے غیر محرم مردوں سے خدمت لے سکتی ہے۔
(۶) عورت قضاء حاجت کے لئے تنہا شوہر کی اجازت کے بغیر باہر جاسکتی ہے۔
(۷) عورتوں کے لئے سفر میں ہار وغیرہ پہننا جائز ہے۔
(۸) مال کم ہی کیوں نہ ہو بہر حال اس کی حفاظت کی فکر ضروری ہے تاکہ ضیاع مال کا گناہ لازم نہ آئے، حضرت عائشہؓ کا ہار کوئی بہت زیادہ قیمتی نہ تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس کی تلاش کے لئے واپس گئیں۔
(۹) فوج کے کوچ کے لئے امیر کی اجازت ضروری ہے۔

(۱۰) مصیبت کے وقت اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون پڑھنا چاہئے۔

(۱۱) عورت کے لئے غیر محرم سے چہرہ چھپانا ضروری ہے۔

(۱۲) پریشان حال کا تعاون، مصیبت زدہ کی راحت رسانی، قابل احترام انسان کی تعظیم وتوقیر اس کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور اسکی خاطر مشقت اور تکلیف اٹھانا اخلاقی اقدار کے تقاضے ہیں۔

(۱۳) غیر محرموں کے ساتھ بالخصوص غیر محرم عورتوں کے ساتھ ادب سے پیش آنا چاہئے اور ان کے آگے آگے چلنا چاہئے تاکہ وہ بے پردگی کے خطرہ سے بالکل مامون اور مطمئن ہوکر راحت وآرام کے ساتھ چل سکیں۔

(۱۴) بیوی کیساتھ حسن وسلوک، خوش اخلاقی اور دلجوئی کا معاملہ کرنا چاہئے، اور اگر اس کے بارے میں کسی نازیبا بات کا علم ہو تو اس سے بیزاری کا اظہار بھی جائز ہے تاکہ اگر وہ بے قصور ہے اپنی صفائی پیش کرے اور قصوروار ہے تو غلطی کا اعتراف کرکے معافی مانگ لے۔

(۱۵) مریض کو کوئی ایسی بات نہیں بتانی چاہئے جس سے اسے روحانی اذیت ہو، اس لئے کہ ایسا کرنے سے اس کے مرض میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

(۱۶) عورت جب قضاء حاجت کے لئے باہر نکلے تو کسی ایسے رفیق (سہیلی) کو اپنے ساتھ لے سکتی ہے جو مصیبت میں اس کے کام آئے اور ضرورت پڑنے پر اس کی مدد کرے جبکہ وہ رفیق قابل اعتماد ہو۔

(۱۷) ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی اور اس کی طرف سے بھرپور دفاع کرنا چاہئے اور اگر کوئی کسی مسلمان کی پردہ دری اور برائی کر رہا ہو تو اسے فوراً ٹوک دینا چاہئے، خواہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو۔

(۱۸) اصحاب بدر کے بڑے فضائل ہیں، ان کی عیب جوئی کسی طرح جائز نہیں۔

(۱۹) اگر کسی کے متعلق کوئی بری بات کہی جارہی ہے تو اس کے سچ یا جھوٹ ہونے کا پتہ لگانے کے لئے اس کے سابقہ ریکارڈ کو بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا اس شخص سے ماضی میں کبھی وہ یا اس جیسی غلطی کا صدور ہوا ہے یا نہیں، اگر اس کا ماضی بے داغ ہو تو جب تک کسی قطعی دلیل سے اس بات کا درست ہونا ثابت نہ ہو جائے اسے بے قصور اور بے گناہ ہی سمجھنا چاہئے۔

(۲۰) اس واقعہ سے حضرت امام مسطح کی فضیلت اور ان کے ایمانی جذبہ کا علم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی صفائی پیش کرنے کے بجائے اس عظیم بہتان تراشی پر اسے سخت سست کہا اور لعنت وملامت کی۔

(۲۱) جب انسان کوئی ایسی بات سنے جسے وہ جھوٹ سمجھتا ہو تو اسے ''سبحان اللہ'' کہنا چاہئے۔

(۲۲) عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں نکل سکتی خواہ مائیکے کیوں نہ جانا ہو۔

(۲۳) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی اہم مسئلہ میں نزول وحی سے پہلے خود فیصلہ نہیں فرماتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا ورنہ فیصلہ کرنے میں کوئی مانع بظاہر نظر نہیں آتا۔

(۲۴) اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ، ان کے والدین، حضرت صفوان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت اسامہ بن زید، اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کا علم بھی ہوتا ہے۔

(۲۵) خاندانی یا قبائلی عصبیت کی وجہ سے خطا کاروں کی حمایت اور پشت پناہی کرنا صلاح کے منافی ہے، گناہ کا ارتکاب کرنے والوں پر غصہ ہونا اور انہیں ملامت و

نکوہش کرنا جائز ہے۔

(۲۶) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی رشتہ دار یا کوئی قریبی عزیز بھی ہو تو بھی وہ باغی اور نافرمان ہے۔

(۲۷) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قول وعمل سے تکلیف پہونچانے والا مستحق قتل ہے، اسلئے کہ حضرت سعد نے حرم نبوی پر کپچڑا اچھالنے والوں کے لئے یہی سزا تجویز کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔

(۲۸) کسی مصیبت زدہ کی مصیبت پر آنسو بہانا اور انسانی ہمدری کی بات ہے۔

(۲۹) حضرت ابوبکرؓ بڑے صابر، اور حلیم اور بردبار تھے کہ ایسی سخت آزمائش میں بھی ان کی زبان سے کوئی بات نہیں نکلی، ہاں، البتہ بعض روایات میں ان کا یہ جملہ منقول ہے کہ دور جاہلیت میں بھی کبھی معاذ اللہ ہم پر انگلی نہیں اٹھائی گئی، اب جبکہ اللہ ہمیں اسلام سے نواز چکا ہے ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔

(۳۰) کوئی اہم بات کرتے ہوئے کلام کی ابتدا اللہ کی حمد وثناء اور تشہد سے ہونی چاہئے۔

(۳۱) جب تک مکمل طور پر تحقیق حال نہ ہو جائے کسی کو قطعی طور پر مجرم قرار دینا درست نہیں۔

(۳۲) توبہ کی قبولیت کے لئے اعتراف، اخلاص اور گناہ سے اجتناب ضروری ہے، محض اعتراف کافی نہیں۔

(۳۳) ناکردہ گناہ کا اعتراف نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ملزم کو چاہئے کہ حق بات کہے یا خاموش رہے۔

(۳۴) صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

(۳۵) پہلے بڑوں کو بولنے کا موقع دینا چاہئے اور جسے صحیح بات معلوم ہو اسے خاموش ہی

رہنا چاہئے۔

(۳۶) جسے از سر نو کوئی نعمت حاصل ہوئی یا کسی مصیبت سے نجات ملی ہو اسے مبارکباد دینا چاہئے تا کہ اس کی خوشی میں مزید اضافہ ہو۔

(۳۷) جو شخص کسی پریشانی میں مبتلا ہو اور پھر اللہ اس کی پریشانی کو دور کر دے تو اسے فوراً خبر نہیں کرنا چاہئے بلکہ رفتہ رفتہ بتانا چاہئے اس لئے کہ بسا اوقات اچانک حاصل ہونے والی خوشی یا اچانک آنے والے غم کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ انسان برداشت نہیں کر پاتا اور ہلاک ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی برأت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مسکرائے، پھر حضرت عائشہؓ کو مبارکباد دی، پھر اجمالاً انہیں ان کی برات کے متعلق بتایا، پھر جب وہ خوشخبری سننے کے لئے بالکل تیار ہو گئیں تب آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی جن میں ان کی براءت کا بیان تھا، اسی طرح حکماء کا بھی یہی کہنا ہے کہ جو شخص بہت پیاسا ہو اسے پہلے ہی دہلہ میں اتنا پانی نہیں پلانا چاہئے کہ وہ ہلاک ہی ہو جائے بلکہ تھوڑا تھوڑا پانی پلانا چاہئے۔

(۳۸) کسی بات پر حیرت یا تعجب ہو تو سبحان اللہ کہنا چاہئے، غیبت کرنا اور سننا دونوں ہی مذموم ہیں کسی کو غیبت کرتا دیکھیں تو فوراً ٹوکنا چاہئے، بالخصوص جبکہ کسی کے بارے میں ایسے بات کہی جا رہی ہو جو اس میں موجود ہی نہ ہو۔

(۳۹) حضرت عائشہؓ کی براءت میں شک کرنا حرام ہے۔

(۴۰) اگر کسی پر حد جاری کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اسے مؤخر کیا جا سکتا ہے، یہ نکتہ ابن بطال نے بیان کیا ہے، دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی لیکن حدیث میں اس پر حد جاری کرنے کا تذکرہ نہیں ہے لیکن

حضرت عیاض نے ان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا تہمت لگانا ثابت نہیں اور سعید بن جبیر، اور مقاتل بن حیان وغیرہ کی روایات میں اس کا تذکرہ ہے کہ عبداللہ بن ابی نے صراحۃً تہمت نہیں لگائی تھی بلکہ محض اس بات کی تشہیر اور اشاعت میں حصہ لیا تھا۔

نہ وہ سرکش ہوئی اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں عمرہ کے ارادہ سے چودہ سو جاں نثار صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ سے نکلے، راستہ میں ایک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا ''قریش نے خالد بن ولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہیں (یہ مقام رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے) اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہونچ گئی تو خالد کے گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آ گیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے رہے حتی کہ جب اس وادی پر پہنچے جس سے اتر کر مکہ میں داخل ہونا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، لوگوں نے ہر چند اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، تنگ آ کر لوگ کہنے لگے کہ قصواء سرکش ہوگئی، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگوں کا یہ تبصرہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رہا نہ گیا، فوراً اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''تم کہتے ہو کہ قصواء سرکش ہوگئی، ہرگز نہیں، نہ وہ سرکش ہوئی ہے اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے، اسے تو ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روکا ہے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قریش خدا کے احکامات اور اسلام کے مقدسات کے ادب واحترام کا خیال رکھتے ہوئے آج مجھ سے جو بھی درخواست کریں گے میں اس کو ضرور قبول کروں گا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا، یہاں پانی کی قلت تھی، ایک کنواں تھا وہ پہلی ہی آمد میں خالی ہوگیا، لیکن اعجاز نبوی سے اسمیں اس قدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے۔

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے، وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کردیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقاء تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آرہا ہے، وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہ دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہدو کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں، جنگ نے قریش کی حالت زار کردی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے، ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدہ صلح کرلیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں، اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہوجائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کردے، بدیل نے جا کر قریش سے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے کچھ پیغام لے کر آیا ہوں، اجازت دو تو کہوں'' چند شریر بول اٹھے کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی، بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں پیش کیں، عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا ''کیوں قریش! کیا میں تمہارا بڑا اور تم میرے چھوٹے نہیں'' وہ بولے ''بالکل ہیں'' عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا ''نہیں'' عروہ نے کہا ''اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معقول شرطیں پیش کی ہیں'' غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، قریش کا پیغام سنایا اور کہا ''محمد

صلی اللہ علیہ وسلم فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اسکی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو، اس کے سوا اگر کوئی لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح چھٹ جائے گی'' حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟'' عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوبکر'' عروہ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ ابھی تک میں ادا نہیں کر سکا۔

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں اور ریش مبارک کی طرف بار بار ہاتھ بڑھاتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ جو ہتھیار لگائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے، عروہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک پر ہاتھ بڑھاتا وہ تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے ''اپنا ہاتھ ہٹالے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا'' عروہ نے سر اٹھا کر پوچھا ''یہ کون صاحب ہیں'' لوگوں نے بتایا ''مغیرہ بن شعبہ'' اس پر اس نے برہم ہو کر کہا ''او دغاباز! کیا میں تیری دغابازی کے معاملہ میں تیرا معین و مددگار ثابت نہیں ہوا تھا''

(حضرت مغیرہؓ نے جاہلیت میں چند آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا مال و اسباب غصب کر کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر اسلام قبول کر لیا تھا، اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا ''تمہارا اسلام لانا تو مجھے قبول ہے لیکن اس مال سے مجھے کوئی سروکار نہیں'' ان مقتولین کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)۔

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا تھا۔ قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، یہ عقیدت و وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں پر مل لیتے ہیں۔ اس کے بعد بنو کنانہ کے ایک شخص نے قریش سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور گفتگو کرنے کی اجازت چاہی، اجازت لے کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے چلا، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نگاہ پڑی تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا ''اس شخص کا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جس میں قربانی کے جانوروں کا بڑا احترام اور ادب کیا جاتا ہے، ذرا قربانی کے جانوروں کو آگے کر دو، چنانچہ جانور کھول دیئے گئے اور لوگوں نے تلبیہ کے ایمان افروز ترانوں کے ساتھ اس کا استقبال کیا، اس نے یہ ایمانی و نورانی ماحول دیکھا تو دم بخود رہ گیا اور تعجب سے کہا ''سبحان اللہ! بھلا ایسے اچھے اور بھلے انسانوں کو خانۂ کعبہ سے روکا جا سکتا ہے، یہ بڑا ظلم ہوگا'' پھر وہ اپنے ساتھیوں کو پاس واپس آیا اور کہا کہ میں نے خود ان لوگوں کے پاس قربانی کے جانور دیکھے ہیں، میں ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنے کے حق میں نہیں۔

پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں خود جا کر جائزہ لوں گا، اس کا نام مکرز بن حفص تھا، یہ ایک بد باطن انسان تھا، لوگوں نے کہا ''تم بھی جا کر دیکھو'' جب وہ مسلمانوں کے پاس پہونچا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ''یہ بد بخت و فاجر مکرز ہے'' وہ ابھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو ہی کر رہا تھا کہ سہیل بن عمرو آپہونچے، انہیں دیکھ

کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ''سہیل کے آنے سے تمہارے لئے سہولت پیدا ہوگئی'' وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، چنانچہ لوگوں نے ان کو خطیب قریش کا خطاب دیا تھا، سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کی شرائط پر گفتگو رہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلم بند کریں، حضرت علیؓ نے حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم " بسم اللہ الرحمن الرحیم " لکھا، عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا میں باسمک اللھم لکھتے تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے، اس بناء پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں، مسلمانوں کو اعتراض ہوا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔ آگے کا فقرہ تھا ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا۔ سہیل نے کہا ''اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیمبر ہوں'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی ''محمد بن عبداللہ'' لکھو، زہری کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس لئے قبول فرمالی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی فرما چکے تھے'' آج وہ مجھ سے احکام خداوندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو بھی مطالبہ کریں گے میں اسے ضرور قبول کروں گا''۔

بالآخر مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہوگئی۔

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان میں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے جو مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں رہ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

اس آخری شرط پر مسلمانوں کو سخت اعتراض ہوا اور سب نے بیک زبان کہا ''سبحان اللہ! اپنے مسلمان بھائی کو ہم مشرکین کے حوالہ کیونکر کریں گے'' اتفاق یہ کہ عین اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل کے صاحبزادے حضرت ابو جندلؓ جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ کے کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابو جندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابھی معاہدہ مکمل قلمبند نہیں ہوا''۔ سہیل نے کہا ''تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اچھا ان کو یہیں رہنے دو'' سہیل نے نامنظور کیا، آنحضرت نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا، ابو جندل کو کافروں نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا ''برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں اسلام لا چکا ہوں، کیا مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟'' تمام مسلمان تڑپ اٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا ''یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر برحق نہیں ہیں؟'' آپ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ہوں'' حضرت عمر نے کہا ''تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں؟'' آپ نے فرمایا ''میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا

،خدا میری مدد کرے گا'' حضرت عمرؓ نے کہا'' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے'' حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی، حضرت ابوبکرؓ نے بھی بالکل وہی جوابات دیئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے اور پھر فرمایا'' دیکھو وہ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں خدا کے حکم سے کرتے ہیں، وہ ان کا حامی و مددگار ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ حق پر ہیں، ان کے دامن سے وابستہ رہو''۔ زہری حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ مجھے اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں مجھ سے سرزد ہوگئیں تھیں تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے تاحیات اعمال صالحہ کرتا رہا۔

صلح نامہ کے مسئلہ سے فارغ ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسم نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انہوں نے عرض کیا'' اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ واقعی چاہتے ہیں کہ لوگ یہیں قربانی کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر جا کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ اب جب لوگوں کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔

معاہدۂ صلح میں یہ شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے آئے گا وہ پھر واپس کر دیا جائے گا اس میں صرف مرد داخل تھے، عورتیں نہ تھیں عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری:

"یاأیهاالذین آمنوا إذا جاء کم المؤمنات مهجرات فامتهنوهن الله أعلم بإیمانهن فان علمتموهن مومنات فلا ترجعوهن إلی الکفار۔ لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن۔ وآتوهم ماأنفقوا۔ ولا جناح علیکم أن تنکحوهن إذا آتیتموهن أجورهن۔ ولا تمسکوا بعصم الکوافر۔" (الممتحنة-۱۰)

"مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو۔ خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے قابل ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم ان کو دے دو، اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو، اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔

یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو طلاق دیدی، ایک سے معاویہ بن ابوسفیان اور دوسری صفوان بن امیہ نے شادی کی۔

اس کے بعد اللہ کے رسول مدینہ تشریف لے آئے، جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اسیدؓ (ابوبصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبصیر کو ان کے حوالہ کر دیا، وہ دو کافروں کے حراست میں واپس چلے لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا اس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ساتھ ہی ابوبصیر بھی پہونچے اور عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کر واپس کر دیا تھا اللہ نے مجھے ان کے چنگل سے

آزاد کرادیا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ذمہ داری نہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارا برا ہو، تم نے تو جنگ بھڑکانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی، وہ تو کہو اس کا کوئی ساتھی نہ تھا جو اس کی امداد کرتا'' حضرت ابو بصیرؓ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کلمات سنے تو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پھر واپس کر دیں گے، لہٰذا وہ مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارہ ذو مروہ کے پاس ہے رہنے لگے، مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانہ پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے، سب سے پہلے ابو جندل آئے، پھر تو ایک سلسلہ ہی شروع ہو گیا، چند روز کے بعد ایک اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروان تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے، ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔ قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ وہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں، جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اس سے تعرض نہ کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ کر بھیجا کہ یہاں چلے آؤ، چنانچہ ابو جندلؓ اور ان کے ساتھی مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔ اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا۔

''وهو الذى كف أيديهم عنكم وأيديكم عنهم ببطن مكة من بعد أن أظفركم عليهم وكان الله بما تعملون بصيرا. هم الذين كفروا وصدوكم عن المسجد الحرام والهدى معكوفا أن يبلغ محله ولو لا رجال مؤمنون ونساء مؤمنات لم تعلموهم أن تطئوهم فتصيبكم منهم معرة بغير علم ليدخل الله في رحمته من يشاء لو تزيلوا لعذبنا

الذین کفروا منھم عذابا ألیما۔ إذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاہلیة“

(اور وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے عین مکہ (کے قریب یعنی حدیبیہ میں) روک دیئے بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دیدیا تھا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا تھا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانور کو جو رکا ہوا رہ گیا اس کے موقع میں پہنچنے سے روکا اور اگر بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہونچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے، اگر یہ ٹل گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو دردناک سزا دیتے جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی) اس عار اور حمیت سے وہ ضد مراد ہے جو بسم اللہ اور لفظ رسول اللہ لکھنے میں انہوں نے مسلمانوں سے کی تھی، اسی لئے اس کو جاہلیت سے مقید فرمایا ورنہ مطلق حمیت مذموم نہیں۔

أخرجه البخاری (۳۱۲/۵، ۳۲۹- ۳۳- ۴۵۳/۷ الفتح)

مذکورہ بالا واقعہ سے اخذ کردہ فوائد وہدایات:-

(۱) مشرکین کے لشکر کی نگاہ بچا کر اور انہیں چکمہ دیکر اچانک ان کے سامنے آجانا جائز ہے۔

(۲) کسی مصلحت کے پیش نظر آسان اور سیدھا راستہ چھوڑ کر مشکل اور پر پیچ راہ اختیار کی جاسکتی ہے۔

(۳) کسی کا سابقہ ریکارڈ اور پچھلا کردار دیکھ کر اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا یا کوئی فیصلہ صادر کرنا درست ہے گرچہ اس بات کا پورا امکان ہے کہ اس مدت میں اس کا مزاج بدل گیا ہو یا اس کی حالت میں تبدیلی آگئی ہو یا اب وہ پہلے جیسا نہ رہا ہو لیکن بہرحال اگر اس کے بارے میں کوئی ایسی بات سننے میں آئے جس کا اس سے صدور مستبعد ہو تو اس پر کان نہیں دھرنا چاہئے اور جو لوگ اس کے بارے میں غلط باتیں عام کر رہے ہیں انہیں روکنا اور منع کرنا چاہئے، اسی کے ساتھ ساتھ انہیں معذور بھی سمجھنا چاہئے کہ انہیں اس شخص کی عادات و حالات کا علم نہیں ہے۔

(۴) دوسرے کی چیز میں مصلحتاً بغیر اجازت تصرف کرنا جائز ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ اس چیز کا مالک بلا اجازت تصرف سے ناراض نہ ہوگا، دیکھئے صحابہ کرام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو ڈانٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۵) ایک جانور پر بھی ظلم یا زیادتی ہوتی تو اسے روکنے کی کوشش کرنا چاہئے، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قصواء کے متعلق بے بنیاد، الزامات کو سننا گوارہ نہیں کیا بلکہ فوراً اس کی حمایت کی اور صحابہ کرامؓ کو اس قسم کی باتیں کہنے سے روکا۔

(۶) گزشتہ لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرنا اور ان کے واقعات کو بطور مثال بیان کرنا ایک مفید اور مؤثر عمل ہے۔

(۷) ایک دشمن کے خلاف دوسرے دشمن سے مدد لینا یا اس سے سفارت اور پیغام رسانی کا کام لینا جائز ہے، اسے موالات اعداء اللہ (دشمنان خدا سے دوستی) سمجھنا درست نہیں بلکہ یہ تو ان کی قوت کو کمزور کرنے اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف

استعمال کرنے کا ایک ذریعہ ہے، استعانت بالمشرکین (مشرکوں سے مدد طلبی) کا نام دینا بالکل درست نہیں۔

(۸) کسی دشمن خدا کو غلط بات سے روکنے کے لئے حسب ضرورت نازیبا الفاظ کا استعمال کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عروہ کی بدگمانی اور ہرزہ سرائی پر اسے سخت سست کہا تھا۔

(۹) دشمن کو ڈرانے کے لئے یا حفاظت اور پہریداری کی غرض سے امیر کے سر پر تلوار لے کر کھڑا ہونا جائز ہے اور حدیث شریف میں جو کسی کے پاس کھڑے رہنے کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ اسکا مقصد محض تعظیم اور توقیر ہو۔

(۱۰) حالت امن میں دھوکہ دیکر کفار کا مال حاصل کرنا ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا مال قبول نہیں فرمایا کیونکہ انہوں نے وہ مال اپنے مشرک و کافر ساتھیوں کو دھوکہ دیکر حاصل کیا اور وہ مال انہیں کے پاس رہنے دینے کی حکمت شاید یہ ہو کہ ممکن ہے ان کے وہ رفقاء بھی بعد میں اسلام لے آئیں تو وہ انہیں ان کا مال واپس کر دیں۔

(۱۱) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغم پاک ہے۔

(۱۲) ہر جائز اور ممکن طریقہ سے مقصد کے حصول کی کوشش کرنا چاہئے۔

(۱۳) اس واقعہ سے عروہ بن مسعود کی فہم و فراست اور بیدار مغزی پر بھی روشنی پڑتی ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔

(۱۳) جنگ میں دھوکہ دینا اور کچھ بول کر کچھ مراد لینا جائز ہے۔

(۱۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مشرکین حرم و احرام کے

مقدسات کا احترام کرتے تھے اور ان کے دل میں حجاج کرام اور قربانی کے جانوروں کی عظمت تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی زائر حرم کو بیت اللہ سے روکنے کے سخت مخالف تھے، یہ دراصل دین ابراہیمی اور ملت حنیفہ کے اثرات تھے جو ان کے لاشعور میں بسے ہوئے تھے۔

(۱۵) عقود اور عہد و پیمان میں قول کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تحریر کتابت کا یعنی اگر زبان سے اقرار کر لیا تو عقد مکمل ہو گیا خواہ اسے تحریری شکل بعد میں دی جائے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو معاہدہ کی رو سے سہیل کے حوالے کر دیا حالانکہ اس وقت تک صلح نامہ ضبط تحریر میں نہیں آیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ ''ابھی صلح نامہ نہیں لکھا گیا'' وہ محض ایک تدبیر تھی کہ شاید وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لے اور اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لیتا تو قریش کو اعتراض بھی نہ ہوتا کیونکہ ابو جندل اسی کے فرزند تھے لیکن جب اس نے ابو جندل کی حوالگی کا اصرار کیا تو آپ نے ابو جندل کو واپس کر دیا کیونکہ معاہدہ ہو چکا تھا اور اب اس کے خلاف ورزی کی گنجائش نہیں تھی۔

(۱۶) اگر کوئی مسلمان صلح کے زمانے میں دار الحرب سے دار الاسلام آ رہا ہو اور کوئی کافر اس کا تعاقب کرے تو وہ اس کافر کو قتل کر سکتا ہے اس لئے کہ عامری کو قتل کرنے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیرؓ کو نہ تو ڈانٹا اور نہ ہی انہیں دیت یا قصاص کا حکم دیا۔

(۱۷) ظالم مشرک کو دھوکہ دے کر قتل کرنا جائز ہے جیسا کہ ابو بصیرؓ نے ان کافروں سے ان کی تلوار کی تعریف کر کے اسے دیکھنے کی درخواست اور جیسے ہی کافر نے وہ تلوار انہیں دی انہوں نے فوراً ایک کا کام تمام کر دیا۔

(۱۸) حضرت ابوبصیرؓ کے عمل کو معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہی نہیں تھے جن کا قریش سے معاہدہ ہوا تھا، وہ تو معاہدہ کے وقت مکہ میں قید تھے۔

(۱۹) اس واقعہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس قسم کے معاہدہ میں مشرکین کے مطالبہ پر ہی ان کا آدمی انہیں واپس کیا جائیگا یہی وجہ ہے کہ پہلی مرتبہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبصیرؓ کو ان کے حوالہ کر دیا لیکن جب وہ دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس نہیں فرمایا، ہاں اگر وہ دوبارہ مشرکین ان کی تلاش میں آدمی بھیجتے تو شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں واپس فرما دیتے، اسی خدشہ کے پیش نظر وہ خود ہی وہاں سے فرار ہو گئے۔

(۲۰) واپسی اسی صورت میں ہوگی جب کہ دارالکفر سے آنے والا خلیفۃ المسلمین کے زیر تسلط علاقہ میں موجود ہو، اگر وہ خلیفہ کے اقتدار سے باہر ہو تو پھر خلیفہ پر اس کی واپسی کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔

(۲۱) ذوالحلیفہ مدینہ والوں کی میقات ہے۔

(۲۲) حج اور عمرہ کرنے والے کے لئے قربانی کے جانور کو ساتھ لیکر جانا سنت ہے۔

(۲۳) حلق تقصیر سے بہتر ہے اور یہ مناسک حج وعمرہ میں سے ہے۔

(۲۴) اگر کسی کو بیت اللہ تک پہنچنے نہ دیا جائے تو اسے وہیں قربانی کر دینی چاہئے جہاں اسے روکا گیا ہے، نیز بیت اللہ سے روکنے والوں سے جنگ اور قتال کرنا بھی جائز ہے، اگر ترک قتال ہی میں مصلحت ہو اور باہمی گفت وشنید سے مسئلہ حل ہو سکتا ہو تو ترک قتال ہی بہتر اور اولیٰ ہے۔

(۲۵) لشکر کے آگے جاسوسوں اور ہراول دستوں کو بھیجنا مستحب ہے۔

(۲۶) دشمن کی طرف سے بالکل چوکس اور بیدار رہنا چاہئے تاکہ وہ غفلت میں مسلمانوں پر دھاوا نہ بول دیں۔

(۲۷) اہم امور باہمی مشورہ سے طے ہونے چاہئیں، مشورہ سے صحیح رائے منقح ہو کر سامنے آجاتی تھی نیز سب کے دل بھی مطمئن ہو جاتے ہیں۔

(۲۸) دین کے مسئلہ میں تھوڑی بہت رواداری کا مظاہرہ کرنا یا کچھ جھک کر معاہدہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس سے دین کی بنیادوں پر آنچ نہ آئے اور ایسا کرنے میں حال میں امن وامان اور مستقبل میں فوائد ومصالح کا امکان ہو۔

(۲۹) ماتحت کو چاہئے کہ اگر اپنے قائد کی کوئی بات سردست سمجھ میں نہ آئے تب بھی اعتراض نہ کرے، اس لئے کہ قائد زیادہ تجربہ کار اور دور بیں ہوتا ہے، وہ مستقبل کے امکانات اور اندیشوں کو نظر میں رکھ کر کوئی فیصلہ کرتا ہے، بالخصوص جبکہ وہ صاحب وحی ہو۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن

سلمہ بن اکوع سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی مہم پر روانہ ہوئے، ایک رات کے مسلسل سفر کے بعد ایک شخص نے حضرت عامر بن اکوعؓ سے (جو مشہور شاعر تھے) درخواست کی کہ اپنے کچھ اشعار سنا دیجئے چنانچہ انہوں نے لوگوں کے جذبات کو مہمیز کرنے کے لئے یہ رجزیہ اشعار پڑھے:

اللهم لو لا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فاغفر فداء لك ما اتقينا وألقين سكينة علينا

وثبت الأقدام إن لاقينا إنا إذا صيح بنا أبينا

وبالصياح عولوا علينا

اے خدا! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ خیرات کرتے نہ ہی روزے رکھتے، ہم تجھ پر فدا ہوں ہم جو احکام نہیں بجالاتے ان کو معاف کردے اور ہم پر سکینت کا نزول فرما جب دشمنوں سے مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ جب ہم سے فریاد کی جاتی ہے تو ہماری غیرت بھڑک اٹھتی ہے اور لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے تو دریافت فرمایا ''یہ کون حدی خواں ہے'' صحابہؓ نے عرض کیا عامر بن اکوع ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا دی اور فرمایا ''یرحمه الله'' (ان پر اللہ کی رحمت ہو) اللہ کے رسول جب اس انداز میں کسی کے لئے مخصوص طور دعا فرماتے تھے تو گویا یہ اس کی شہادت کا اشارہ ہوتا تھا، لہٰذا ایک صحابیؓ

نے عرض کیا ''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کیا ہی اچھا ہوتا ہے اگر کچھ روز اور ان سے محظوظ ہونے کا موقع مل جاتا''۔

بہر حال ہم لوگ خیبر پہونچے اور دشمنوں سے مورچہ لیا، جنگ کرتے کرتے ہم تھک کر بالکل چور گئے اور ہمیں سخت بھوک لگنے لگی، کئی روز کی مسلسل جد و جہد کے بعد اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، جس روز ہمیں فتح نصیب ہوئی اس دن شام کے وقت لوگوں نے بڑی آگ جلائی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ دیکھ کر دریافت فرمایا ''یہ کیسی آگ ہے؟ تم لوگ کیا پکا رہے ہو؟'' لوگوں نے عرض کیا ''گوشت'' آپ نے پھر دریافت فرمایا' کس چیز کا گوشت؟'' جواب ملا'' پالتو گدھوں کا'' یہ سن کر آپؐ نے حکم دیا'' تمام کھانا پھینک دو اور اسے ضائع کر دو''۔

اس غزوہ میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عامر بن اکوعؓ نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار سے وار کیا، ان کی تلوار چونکہ بہت چھوٹی تھی، لہٰذا واپس آ کر انہیں کے گھٹنے میں آ لگی اور وہ شہید ہو گئے، ان کے بھتیجا حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ سے واپسی میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے پوچھا'' کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا'' میں آپ پر قربان، لوگ کہتے ہیں کہ عامر کے تمام اعمال اکارت ہو گئے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو کہتا ہے بالکل غلط کہتا ہے'' پھر آپ نے اپنی دو انگلیوں کو ملاتے ہوئے فرمایا'' انہیں تو دوہرا اجر ملے گا'' ایک راہ خدا میں جہاد کرنے اور دوسرا مشقت برداشت کرنے کا، کم ہی کسی عربی کو جنگ میں ایسی فضیلت حاصل ہوئی ہوگی''۔

رضي الله عنه وأرضاه - أخرجه أحمد (٤٨/٤) ومسلم (١٤٤٣٢/٤، ١٥٤٠)

مندرجہ بالا واقعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہے۔

(۲) جہاد میں حدی خوانی جائز ہے۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی پوری خبر رکھتے تھے اور انہیں خوش اور مطمئن رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔

(۴) عرب جب ''کذب فلان'' بولتے ہیں تو ہمیشہ اس سے وہی جھوٹ مراد نہیں ہوتا جو مذموم اور گناہ ہے بلکہ بسا اوقات اس کا استعمال مطلق غلطی کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو حضرت عامرؓ کے عمل کو خودکشی سمجھ کر انہیں مجرم اور گنہگار گردان رہے تھے ''کذب من قالہ'' (جو یہ کہتا ہے غلط اور سراسر غلط کہتا ہے)۔

(۵) پالتو گدھوں کا گوشت عینیؒ کے بیان کے مطابق نجس ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ضائع کرنے اور پھینک دینے کا حکم فرمایا۔

(قالہ العینی ۳۰/۱۳)

کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

حضرت ایاس بن سلمہ بن اکوع اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کے لئے روانہ ہوئے، حضرت عامر بن اکوعؓ (جو مشہور شاعر تھے) یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے چلے:

واللہ لو لا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

ونحن من فضلك ما استغنينا فأنزلن سكينة علينا

وثبت الأقدم إن لا قينا

بخدا، اگر آپ نہ ہوتے تو ہم راہ یاب نہ ہوتے نہ خیرات کرتے نہ نماز پڑھتے ہم آپ کے فضل وکرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے لہٰذا ہم پر سکینت کا نزول فرمایئے اور مڈبھیڑ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو ثبات عطا فرمایئے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آواز سنی تو دریافت فرمایا ''یہ کون صاحب ہیں جو اشعار پڑھ رہے ہیں؟'' عرض کیا گیا ''حضرت عامر بن اکوعؓ ہیں'' آپ نے فرمایا ''غفرلک ربک'' (تیرا رب تیری مغفرت کرے)، راوی کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی خصوصی طور پر کسی کو مغفرت کی دعا دی تو دیکھا یہ گیا کہ وہ شہید ہو گیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جو اس وقت اونٹ پر سوار تھے عرض کیا ''کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ہمیں کچھ روز اور عامر بن اکوع سے استفادہ کا موقع دیدیتے''۔

راوی کہتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں یہودیوں کا مشہور پہلوان مرحب اپنی تلوار لہراتے

ہوئے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے قلعہ سے باہر نکلا:

قد علمت خیبر أنی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

إذا الحروب أقبلت تلهب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں، بالخصوص جبکہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں۔

اس کے جواب میں عامرؓ نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے بڑھے:

قد علمت خیبر أنی عامر شاکی السلاح بطل مغامر

خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، سلاح پوش ہوں، جانباز ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کیا، مرحب کی تلوار حضرت عامرؓ کی ڈھال پر لگی، حضرت عامرؓ نے نیچے سے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن ان کی تلوار پلٹ کر خود انہی کے جسم پر لگی جس سے ان کے بازو کی رگ کٹ گئی اور وہ شہید ہو گئے، حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عامرؓ کی شہادت کے بعد میں نے کچھ صحابہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عامر نے خودکشی کر کے اپنے اعمال ضائع کر لئے، میں یہ سن کر روتا ہوا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روتا دیکھ کر دریافت فرمایا ''کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا ''لوگ کہہ رہے ہیں کہ عامر کے سب اعمال اکارت ہو گئے؟'' آپ نے پوچھا ''کون کہہ رہا ہے'' عرض کیا ''آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان لوگوں نے بالکل غلط کہا بلکہ عامر کو تو دوہرا اجر ملے گا''۔

جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو چاہتے

ہیں'' یہ رات نہایت امید اور انتظار کی تھی، صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علی کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی پھر ان کو علم عنایت فرمایا، مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

قد علمت خيبر أني مرحب شاكي السلاح بطل مجرب

إذا الحروب أقبلت تلهب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، سلاح پوش ہوں، بالخصوص جبکہ جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں۔

مرحب کے جواب میں حضرت علی نے یہ رجز پڑھا:

أنا الذي سمتني أمي حيدرة كليث غابات كريه المنظره

أو فيهم بالصاع كيل السندره

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا، میں جنگل کے شیر کی طرح مہیب و خوفناک ہوں، اور ان کو اینٹ کا جواب پتھر سے دوں گا۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علی نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی۔ اس طرح مسلمانوں کو یہ عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔

ٹل نہ سکتے تھے کہ اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

أخرجه مسلم (۱۸۰۷)

اس واقعہ سے مستنبط دروس وفوائد:

(۱) جنگ میں مبارزت طلبی جائز ہے۔

(۲) حضرت علیؓ بڑے دلیر وجانباز اور صاحب مناقب صحابی تھے۔

(۳) اس واقعہ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل بھی معلوم ہوتے ہیں۔

(۴) دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی قوت کا اظہار کرنا اور اپنی جانبازی کا تذکرہ جائز ہے۔

(۵) جہاد میں جوش وولولہ پیدا کرنے کے لئے رجزیہ اشعار پڑھنا مفید اور نافع ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یمن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو میں اور میرے بڑے دو بھائی ابو بردہ اور ابو رھم خاندان کے دیگر باون یا ترپین آدمیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے، ہم سب ایک کشتی پر سوار ہوئے جس نے ہمیں ہماری منزل کے بجائے حبشہ پہونچا دیا، وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفرؓ بن ابو طالب سے ہوئی، ہم ایک عرصہ تک ان کے ساتھ وہیں مقیم رہے، پھر فتح خیبر کے موقع پر ہم سب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ یہ کہہ کر ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کرتے تھے کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اسماء بنت عمیس جو ہمارے ساتھ یمن سے آئی تھیں زوجۂ رسول ام المومنین حضرت حفصہ کی زیارت کے لئے گئیں، وہاں ان کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوگئی، ان کے استفسار پر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ اسماء بنت عمیس ہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا ''وہی سمندر والی اور حبشہ والی اسماء؟'' (ان کا اشارہ حضرت اسماءؓ کا پہلے یمن سے سمندر کے راستہ حبشہ پہونچنے پھر وہاں اور انکے طویل قیام کی طرف تھا) اس مرتبہ حضرت اسماءؓ نے خود جواب دیا اور کہا کہ ہاں! وہی اسماء سمندر والی اور حبشہ والی، یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ''ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، لہٰذا ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت وعنایت کے تم لوگوں سے زیادہ مستحق

ہیں" حضرت اسماء یہ بات سن کر غصہ ہو گئیں اور بولیں "آپ حضرات ایک لمبی مدت سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں، آپ لوگوں میں کوئی بھوکا ہوتا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کھانے کی فکر فرماتے، نادان اور جاہل ہوتا تو اسے وعظ کرتے اور تعلیم فرماتے الغرض آپ حضرات کی ضرورتوں کا پورا خیال رکھتے تھے اور ہمیں دیکھیے، ہم یہاں سے بہت دور دشمنوں کی سرزمین میں تھے صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر، پھر انہوں نے کہا بخدا جب تک میں اللہ کے رسول سے اس واقعہ کا تذکرہ کر کے حقیقت دریافت نہ کرلوں، اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، چنانچہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا "یا رسول اللہ! عمر مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مقرب ہیں، اس لئے کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے" آپ نے دریافت فرمایا "تم نے انہیں کیا جواب دیا؟" انہوں نے بتایا کہ میں نے انہیں اپنی قربانیوں اور مجاہدوں کا حوالہ دیکر کہا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کی توثیق کرتے ہوئے فرمایا "تم ہی لوگ میری قربت کا زیادہ حق رکھتے ہو، اسلئے کہ عمر اور ان کے ساتھیوں نے تو بس ایک ہی ہجرت کی ہے اور تم لوگوں کو خدا کی راہ میں دو مرتبہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہے" وہ فرماتی ہیں کہ جب یہ خبر عام ہوئی تو حضرت ابوموسی اور دیگر اہل سفینہ (حبشہ ہجرت کرنے والے) اس خبر کی توثیق کے لئے میرے پاس آئے اور میں نے محسوس کیا کہ اللہ کے رسول کے اس ارشاد گرامی سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز ان کے لئے مسرت بخش اور سرور آفریں نہ تھیں، حضرت اسماءؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ بار بار مجھ سے یہ بات معلوم کرتے تھے۔

أخرجه البخاري (٦/٢٣٧، ٧/١٨٨، ٤٨٤ الفتح)

دروس وفوائد:-

(۱) اس حدیث سے ہمیں حضرت جعفر بن ابو طالبؓ، حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور دیگر اہل سفینہ کی فضیلت کا علم ہوتا ہے۔

(۲) صحابہ کرامؓ حصول خیر اور عمل صالح کے لئے مقابلہ کرتے تھے۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کا خیال رکھتے تھے۔

(۴) حضرت اسماء بنت عمیسؓ بڑی زیرک اور حاضر جواب تھیں۔

شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو صحابہ کرام کے ایک دستہ کو کسی مہم پر ساحل کی طرف روانہ کیا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا، میں خود بھی اس جماعت میں شامل تھا، راستہ میں ہمارا زادسفر ختم ہوگیا، حضرت ابوعبیدہ نے تمام فوجیوں کو اپنا زادراہ ایک جگہ جمع کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ سب ایک جگہ جمع کردیا گیا، وہ روزانہ اس میں سے ہمیں فی کس ایک کھجور کے حساب سے دیا کرتے تھے اور اسی اک کھجور پر ہم پورا دن گزارتے تھے حتی کہ ایک روز یہ کھجوریں بھی ختم ہوگئیں اور ہمارے توشے بالکل خالی ہوگئے، بہرحال کسی طرح ہم سمندر تک پہونچے تو دیکھا کہ وہاں چٹان کی مانند ایک بہت بڑی مردہ مچھلی پڑی ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ پورے لشکر نے اٹھارہ دنوں تک وہ مچھلی کھائی، پھر حضرت ابوعبیدہؓ نے اس مچھلی کی دو پسلیوں کو کھڑا کرنے کا حکم دیا جنہیں نصب کر کے حضرت ابوعبیدہؓ کے اونٹ کو اس کے نیچے سے گزارا گیا تو وہ بآسانی گزر گیا۔ أخرجه مالك (۹۳۰)

دروس وفوائد:-

(۱) راہ خدا میں صحابہ کرام کی قربانی کا جذبہ اور مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ ہمارے لئے ایک شاندار نمونہ ہے۔

(۲) کسی کو اپنا امیر اور قائد بنالینے سے اختلافات کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔

(۳) خوش اسلوبی کے ساتھ نظام چلانے کے لئے منصوبہ بندی اور پیش بندی ضروری ہے۔

(۴) سفر میں سب کے زادسفر کو یکجا کر کے مل جل کر کھانا جائز ہے۔

(۵) صحابہ کرام کے اندر باہمی تعاون و ہمدردی اور ایثار و قربانی کا جذبہ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب فوج کی رسد ختم ہوگئی تو سب نے امیر کے حکم پر بلا جھجک اپنا اپنا سامان اور توشہ پیش کر دیا۔

(۶) مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمانی بھائی کی مصیبت میں مدد کرے۔

(۷) سمندر کی مردار مچھلیاں بھی حلال ہیں۔

(۸) اس عالم رنگ و بو میں خالق کائنات کی کیسی کیسی انوکھی مخلوقات پائی جاتی ہیں۔

ع۔ مخلوق میں نیرنگئ خالق دیکھو۔

"حتی أکون أحب إلیه من والده"

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ فرماتی ہیں کہ مکہ آتے ہوئے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام "ذوطوی" میں اپنی فوجوں کے ساتھ قیام فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ کے والد نے جو کہ نابینا تھے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی سے کہا کہ مجھے جبل ابوقبیس پر لیکر چلو، چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ جبل ابوقبیس پر لے گئیں، وہاں انہوں نے پوچھا "بیٹی! تمہیں کیا نظر آرہا ہے؟" انہوں نے بتایا کہ مجھے انسانوں کا ایک بہت بڑا مجمع نظر آرہا ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ بیٹی! وہ فوج ہے، ان کی صاحبزادی نے پھر بتایا کہ مجھے اس مجمع میں ایک شخص ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑتا ہوا بھی نظر آرہا ہے، انہوں نے بتایا کہ وہ سالار جیش اور منتظم فوج ہے جس کے ذمہ فوج کا نظم ونسق ہوتا ہے، کچھ دیر بعد ان کی صاحبزادی پھر بولیں کہ اب میں اس فوج کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھ سکتی ہوں، یہ سن کر وہ کچھ گھبرا گئے اور کہا" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لشکر تیزی سے آگے کی طرف بڑھ رہا ہے، تم مجھے فوراً گھر پہونچادو" وہ جلدی سے انہیں لیکر نیچے اتریں اور تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف بڑھنے لگیں لیکن گھر پہونچنے سے پہلے ہی فوج نے انہیں آ پکڑا، حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ اس بچی کے گلے میں چاندی کا ہار تھا جو فوج کے کسی آدمی نے کھینچ کر اتار لیا۔

اس کے بعد جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہونچے اور مسجد حرام میں گئے تو حضرت ابوبکرؓ اپنے والد کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر آئے، آپ کی نظر پڑی تو فرمایا "تم نے ان بزرگوار کو گھر ہی میں رہنے دیا ہوتا، میں خود ان کے پاس چلا جاتا" حضرت

ابوبکرؓ نے ادب سے عرض کیا ''یا رسول اللہ! یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ خود چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے نہ یہ کہ آپ ان کے پاس جاتے'' پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ساتھ بٹھایا اور سینہ پر ہاتھ پھیر کر کہا ''اسلام لے آؤ'' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان کر فوراً اسلام قبول کر لیا اور ان خوش نصیبوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرالیا جنہیں ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شرف اور اعزار حاصل ہے۔ فرضی اللہ عنہ وأرضاہ

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ جب انہیں لیکر مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تو ان کے بالوں کی سفیدی دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کے بال درست کرو'' پھر حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر بولے ''میں اللہ کا واسطہ دیکر اپنی بہن کا ہار مانگتا ہوں، جس کسی نے لیا ہو واپس کردے'' جب کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا تو انہوں نے اپنی بہن سے کہا ''بہن! صبر کرو اور اللہ سے ثواب کی امید رکھو، کیا کیا جائے لوگوں میں ابھی امانت کی کمی ہے'' رضی عنہما وعن الصحابہ أجمعین۔

أخرجہ البیہقی فی الدلائل (۹۵/۵، ۹۶)

دروس وفوائد:-

(۱) کسی بھی کام کے لئے پہلے پوری تیاری اور منصوبہ بندی کر لینی چاہئے جیسے اللہ کے رسول نے فتح مکہ کے لئے ''ذوطوی'' میں رک کر فوج کو منظم کیا اور پوری تیاری کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔

(۲) نوجوانوں کو بڑے بوڑھوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے کہ حضرت ابوقحافہ نابینا ہونے کے باوجود اپنے تجربات سے ان باتوں کو سمجھ گئے جنہیں ان کی

صاحبزادی بینائی کے باوجود بھی نہ سمجھ سکیں۔

(۳) تندرست وصحت مند انسان کو معذوروں اور کمزوروں کے کام آنا چاہئے۔

(۴) فوج میں نظم ونسق اور قائد کی اطاعت فتح اور کامیابی کا دیباچہ ہے۔

(۵) کوئی جماعت اور کوئی نسل کلیۃً غلطیوں اور کوتاہیوں سے منزہ اور پاک نہیں ہوتی۔

(۶) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھوں کا لحاظ فرماتے تھے خواہ کفار ہی کیوں نہ ہوں۔

(۷) والدین کی خیر اور بھلائی کی دعوت دینا بھی برالوالدین (والدین کے ساتھ حسن سلوک) ہے۔

(۸) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کا ادب واحترام ایمان کی علامت ہے۔

(۹) سفید بالوں کی اصلاح مندوب ومستحسن ہے اور اسلام نے آرائش کو پسند کیا ہے۔

(۱۰) مومن کی مختلف طریقوں سے آزمائش ہوتی ہے۔

؎ چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

(۱۱) مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ مصیبت پر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے۔

(۱۲) امانت ودیانت اچھی صفات ہے جنہیں معاشرہ میں رائج کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اس کے برخلاف لوٹ مار اور خرد برد ایسی مذموم اور بری عادتیں ہیں جن سے اجتناب کی بساط بھر کوشش کرنی چاہئے اور سماج سے ان کے انخلاء کی فکر کرنی چاہئے۔

نوٹ:- فتح مکہ کے لئے جو لشکر گیا تھا اسمیں کچھ نومسلم بھی تھے جو مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن ابھی ان کی مکمل اسلامی تربیت نہیں ہو سکی تھی، لہٰذا اس طرح کی کسی غلطی کو بالکل خارج از امکان نہیں کہا جا سکتا۔

دوستوں سے بھی محبت دشمنوں سے بھی وفا

حضرت سعدؓ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو عام امان دیدی، صرف چار مردوں اور چھ عورتوں کو اس سے مستثنیٰ کیا اور ان کی بابت حکم دیا کہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیئے جائیں خواہ بیت اللہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے پائے جائیں، وہ چار مرد حسب ذیل ہیں (۱) عکرمہ بن ابوجہل (۲) عبداللہ بن خطل (۳) مقیس بن صبابہ اور (۴) عبداللہ بن سعد بن ابوسرح۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبداللہ بن خطل کعبۃ اللہ کے پردہ سے لپٹا ہوا تھا، سعد بن حریثؓ اور عمار بن یاسرؓ نے دیکھا تو تیزی سے اس کی طرف لپکے لیکن حضرت سعید چونکہ نوجوان اور عمار سے زیادہ پھرتیلے تھے لہٰذا پہلے اس تک پہونچ گئے اور اس کا کام تمام کر دیا، دوسری طرف مقیس بن صبابہ کو لوگوں نے بازار میں پکڑ کر قتل کر دیا، عکرمہ کسی طرح بچ بچا کر ساحل کی طرف نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کشتی پر بیٹھ کر فرار ہونا چاہا لیکن کچھ ہی دیر ہوئی ہوگی کہ کشتی طوفان میں گھر گئی جب بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا تو کشتی والوں نے کہا کہ سب لوگ خدائے برحق کو پکارو، اس لئے کہ یہاں اس تند و تیز طوفان میں تمہارے معبودان کچھ کام نہ آئیں گے، عکرمہ نے کہا کہ اگر سمندر میں صرف ایک خدا ہی نجات دے سکتا ہے تو یقیناً خشکی میں بھی صرف وہی ایک خدا بچا سکتا ہے، پھر انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے مجھے اس ہلاکت خیز طوفان سے بچا لیا تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جاؤں گا اور ان کی اطاعت قبول کر لوں گا، مجھے یقین ہے کہ وہ ایک نرم دل اور مہربان انسان ثابت ہوں گے،

چنانچہ ان کی نذر کے مطابق وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول فرما کر انہیں معاف کردیا، چوتھے اور آخری شخص عبداللہ بن سعد بن ابوسرح حضرت عثمان بن عفانؓ کے گھر چھپ گئے، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمان بن عفانؓ انہیں بھی لیکر آئے اور آپ کے سامنے لاکر کھڑا کردیا، پھر عرض کیا ''یارسول اللہ! عبداللہ کو بیعت کرلیجئے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کی طرف دیکھا گویا تینوں مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کرنا چاہتے ہوں، پھر چوتھی مرتبہ آپ نے اسے بیعت کرلیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا، ''کیا تم میں سے کوئی ہوشیار اور سمجھدار شخص ایسا نہ تھا جو مجھے بیعت سے ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر اسے قتل کردیتا'' صحابہ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! ہمیں کیا معلوم آپ کے دل میں کیا ہے، آپ نے آنکھ سے ہلکا سا اشارہ کیوں نہیں فرمادیا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے کہ اس کی آنکھ خیانت کرے'' صلی اللہ علیہ وعلی صحبہ أجمعین۔

أخرجہ ابو داؤد (٤٣٥٩) والنسائی (٤٠٦٧)

مذکورہ بالا حدیث سے ماخوذ فوائد ونتائج:-

(۱) فتح مکہ اسلام اور مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی تھی جس سے حق غالب اور باطل مغلوب ہوگیا۔

(۲) اس واقعہ سے ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ باوجود قدرت اور طاقت اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف فرمادیا کرتے تھے۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم احکامات الٰہیہ کی پامالی اور اس کے **استھانۃ** پر بہت غصہ ہوتے تھے اور مجرموں کے خلاف سخت سے سخت احکامات جاری کرتے تھے، اور یہ سب خالص اللہ کے لئے تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لئے کبھی ناراض نہیں ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی شاہد ہے۔

(۴) ایک سچا مومن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

(۵) دشمنان اسلام کو قتل کرنا بھی جہاد ہے۔

(۶) ندامت کے ساتھ توبہ کرنے والوں کو معاف کر دینا چاہئے۔

(۷) کسی شہر یا ملک کو فتح کرنے پر ظلم واستبداد اور تشہد واستحصال اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

(۸) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی قدر کرتے تھے۔

(۹) کسی نیک کام میں سفارش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۱۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو بھی آنکھوں کی خیانت زیب نہیں دیتی۔

امان ذات رسالت نے بھی دیا ان کو

سعد بن ابو ہند، ابو مرہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو بنو مخزوم کے دو آدمی بھاگ کر حضرت ام ہانیؓ کے پاس پہونچے اور ان سے پناہ طلب کی، چونکہ وہ ان کے شوہر کے خاندان کے آدمی تھے، لہٰذا ام ہانیؓ نے انہیں پناہ دیدی، جب حضرت علی بن ابی طالبؓ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس آئے اور کہا کہ میں ان دونوں کو قتل کر ڈالوں گا، حضرت ام ہانیؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور ان کا بڑا اعزاز کیا، پھر پوچھا ''ام ہانی! کیسے آنا ہوا؟'' انہوں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں نے اپنے سسرال کے دو آدمیوں کو ان کی درخواست پر امان دی تھی، علیؓ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی وہ ہماری طرف سے بھی مامون ہے'' پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے لئے تشریف لے گئے، حضرت فاطمہؓ نے پردہ کر دیا، غسل سے فارغ ہو کر آپ نے اپنے جسم اطہر پر ایک کپڑا لپیٹ لیا اور آٹھ رکعت چاشت کی نماز ادا فرمائی۔

أخرجه مسلم (۴۹۸/۱)

دروس وفوائد:-

(۱) عورت کا مردوں کو پناہ دینا جائز ہے۔

(۲) حضرت علیؓ کا حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کا جذبہ قابل قدر ہے۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انسانی نفسیات سے خوب واقف تھے اور مصلحت

کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔

(۴) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کے لئے آنے والوں کا خوش دلی کے ساتھ استقبال کرتے تھے اور پورا اعزاز فرماتے تھے۔

(۵) اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک فاطمہ کا مقام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے بے پناہ محبت کا بھی علم ہوتا ہے۔

(۶) اللہ کے رسول صحابہ وصحابیات سب کی یکساں قدر کرتے تھے اور وہ جس کو پناہ دیدیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے معاف فرمادیتے تھے۔

(۷) غسل کرتے وقت پردہ واجب ہے۔

(۸) والدین کی خدمت کرنا سعادت مندی کی بات ہے۔

وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ جدہ (مکہ کا ساحل) کی طرف نکل گیا تا کہ وہاں سے یمن چلا جائے، عمیر بن وہب کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ''یارسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ سے بچنے کے لئے سمندر میں کودنے کے لئے تیار ہے، اسے آپ پناہ دے دیجئے تا کہ وہ یہ انتہائی قدم نہ اٹھائے اور اس کی جان بچ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جاؤ اسے امان ہے'' انہوں نے دوبارہ عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی دے دیجئے جسے دیکھ کر اسے آپ کی طرف سے امان دیئے جانے کا یقین آجائے'' اللہ کے رسول نے حضرت عمیرؓ کی درخواست پر ان کو اپنا وہ عمامہ عطا کر دیا جسے باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت عمیرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ لیکر روانہ ہوئے، جب وہ ساحل پر پہونچے تو دیکھا کہ صفوان کشتی پر سوار ہی ہوا چاہتا ہے، فوراً لپک کر اس کے پاس پہونچے اور کہا ''صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان، کیوں اپنے آپ کو ہلاک کیا چاہتے ہو، یہ دیکھو میں تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی خوشخبری لیکر آیا ہوں، اس نے جھڑک کر جواب دیا ''دور ہٹو اور مجھ سے بات مت کرو'' حضرت عمیرؓ نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہی خاندان کے تو ہیں، ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے، وہ بڑے حلیم، نرم مزاج اور پاک طینت

ہیں، میرے ماں باپ تم پر قربان، چلو یہاں سے واپس چلو، اس نے کہا ''مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے'' حضرت عمیرؓ نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کر ہی نہیں سکتے، آپ کی شرافت وسماحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اجازت نہ دے گی۔

جب اسے کچھ اطمینان ہوا تو وہ حضرت عمیرؓ کے ساتھ مکہ واپس چلا آیا اور اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا ''یہ (عمیر بن وہب) کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے امان دیدی'' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ بالکل سچ کہتے ہیں، واقعی میں تمہیں امان دے چکا ہوں'' اس نے عرض کیا کہ مجھے دو مہینے غور کرنے کا موقع دیجئے، آپ نے فرمایا ''دو کیا! جاؤ تمہیں چار مہینے کی مہلت ہے''۔

أخرجه ابن اسحاق كما في البداية والنهاية لابن كثير (۳/ ۵۸)

درج بالا قصہ سے اخذ کردہ مسائل وفوائد:-

(۱) انبیاء کا وجود دنیا کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے نہ کہ باعث زحمت، اسی طرح نائبین انبیاء کا وجود بھی لوگوں کے لئے راحت وآرام کا سبب ہونا چاہئے نہ کہ تکلیف اور پریشانی کا۔

(۲) قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی کی بات ہے۔

(۳) اظہار حقیقت کے لئے دلائل و براہین پیش کرنا قائل کے سچے ہونے کی علامت ہے۔

(۴) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی اشاعت اور اسکے فروغ کے لئے مصالحانہ رویہ اختیار فرماتے تھے اور تشدد اور انتہا پسندی سے اجتناب کرتے تھے۔

(۵) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح سے لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے

لئے بیتاب وبیقرار رہا کرتے تھے۔

(۶) صحابہ کرامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حلم وبردباری پر اس درجہ اعتماد تھا کہ حضرت عمیر بن وہب نے صفوان بن امیہ سے پورے وثوق کے ساتھ اس بات کی ضمانت لے لی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاف کردیں گے۔

(۷) استعارہ کا استعمال جائز ہے کہ حضرت عمیر نے صفوان کے بحری سفر کو سمندر میں کود پڑنے سے تعبیر کیا۔

(۸) اعزاء واقارب کی ایمانی اور دینی پہلو سے فکر رکھنا ان کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

(۹) اسلام نے اظہار رائے کی آزادی دی ہے بشرطیکہ وہ کسی دینی نقصان کا سبب نہ بن جائے۔

مسلمانوں کا شیوہ، شیوۂ طاعت گذاری ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ جنگ حنین میں کافی مال غنمت ہاتھ آیا جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے درمیان مقام جعرانہ میں تقسیم فرمایا، جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہل مکہ اور اکثر نومسلم تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا حتی کہ کچھ انصاری نوجوانوں میں چہ میگوئیاں بھی شروع ہوگئیں، حضرت سعد بن عبادہؓ یہ دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! انصار آپ سے کچھ ناراض ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا کہ آپ نے اپنی قوم یعنی قریش مکہ اور عرب کے دیگر قبائل پر تو خوب فیاضی اور دریادلی کے ساتھ انعامات اور نوازشات کی بارش کی اور انصار کا جنہوں نے ہر مشکل گھڑی میں آپ کا ساتھ دیا کچھ بھی خیال نہ رکھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ''سعد! یہ بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟'' انہوں نے ادب سے عرض کیا ''یارسول اللہ! میں بھی تو اپنی قوم کا ایک فرد ہوں'' اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تم اپنی قوم کے لوگوں کو اس خیمہ میں جمع کرو، جب وہ جمع ہو جائیں تو مجھے خبر کر دینا'' حضرت سعدؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق لوگوں میں اعلان کر کے سارے انصاریوں کو اس خیمہ میں جمع کر لیا، جب سب جمع ہو گئے تو آپ کو اطلاع کر دی گئی، آپ تشریف لائے اور ایک مؤثر و پرزور خطبہ دیا کہ ان کے دل کے تار جھنجھنا اٹھیں، آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور محبت و شوق کا چشمہ ان کے دلوں میں ابل پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے

گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا؟''۔

ان سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ بالکل درست فرماتے ہیں'' جب وہ خاموش ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا ''اے جماعت انصار کے لوگو! تم میری بات کا مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟'' انہوں نے ادب سے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم اس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں، سارا فضل و احسان تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے'' آپ نے فرمایا ''نہیں! خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تمہیں یہ کہنے کا حق ہے، میں خود تمہاری تائید کروں گا کہ آپ جب ہمارے پاس آئے تھے تو کوئی آپ کی بات سننے کو تیار نہ تھا، ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ بے خانماں تھے، ہم نے آپ کو ٹھکانہ دیا، بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپ کی مدد کی، بے آسرا و بے سہارا تھے، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی کی، خوفزدہ اور غیر مامون تھے، ہم نے آپ کو امان دی، انہوں نے عرض کیا ''خدا اور رسول کا احسان اس سے بڑھ کر ہے''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو بات فرمائی اسمیں ناز و اعتماد بھی تھا اور اس تقسیم و بخشش کے فرق کی حکمت کی وضاحت بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے جماعت انصار! کیا دنیا کی چند روز متاع حقیر کے لیے جو میں نے نومسلموں کی دلجوئی اور دلداری کے لئے انہیں دی تا کہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں تو تم مجھ سے ناراض ہوتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں اسلام پر اعتماد کر کے چھوڑا تھا'' آپ نے فرمایا ''اے جماعت انصار! کیا تم کو پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر اپنے گھر جاؤ، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان، اگر سب لوگ ایک

طرف چلدیں اور انصار دوسری طرف ہولیں تو میں انصار ہی کے ساتھ چلنے کو ترجیح دوں گا، اگر ہجرت مقدر نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا، انصار تو شعار ہیں (شعار استر کو کہتے ہیں یعنی وہ کپڑا جو جسم پر براہ راست ہوتا ہے) اور دوسرے لوگ دثار ہیں (یعنی وہ کپڑے جو اوپر ہوتے ہیں اور جسم سے ان کا تعلق بالواسطہ ہوتا ہے)، اے اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کی اولاد پر رحم فرما اور ان کی نسلوں پر رحم اور اپنا خاص فضل فرما"۔

یہ سن کر تمام انصاری صحابہ کرام بے ساختہ رو پڑے حتی کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، وہ کہنے لگے ہم نے سچے دل سے اللہ کو رب مانا ہے اور اللہ کے رسول کی تقسیم پر ہم بہر طور راضی ہیں۔ رضی الله عنهم أجمعين۔

أخرجه أحمد (۷۷٤٧٦/٣)

دروس وفوائد:۔

(۱) مدمقابل پر حجت قائم کر کے اسے خاموش کیا جا سکتا ہے۔

(۲) صحابہ کرامؓ بڑے با ادب اور سعادت مند تھے کہ اللہ کے رسول سے نہ مباحثہ فرمایا نہ کوئی خلاف ادب بات کہی بلکہ ندامت و شرمندگی کے ساتھ کھلے دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا۔

(۳) اس واقعہ سے انصار کے فضائل و مناقب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کے مقام پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایسے زبردست تعریفی کلمات کہے اور ان کے تعاون و تعلق کا برملا اظہار کیا، اسی طرح اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑوں کو چھوٹوں کی غفلت پر انہیں تنبیہ کرتے رہنا، نیز ان کی صحیح رہنمائی کرتے رہنا چاہئے۔

(۴) آدمی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد فوراً اعتراف کر کے معافی تلافی

کر لینی چاہئے۔

(۵) اصلاح اور تنبیہ کے لئے اپنے ماتحتوں کو ملامت کی جاسکتی ہے۔

(۶) انصار کے سامنے اس قدر مؤثر اور بلیغ خطاب فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجز بیانی کی دلیل ہے۔

(۷) امام اور امیر غنائم کی تقسیم میں کسی مصلحت اور حکمت کی بنیاد پر کسی خاص طبقہ کو دوسروں پر ترجیح دینے کا حق رکھتے ہیں۔

(۸) دنیاوی حق کا مطالبہ کرنا کوئی خلاف شرع عمل نہیں۔

(۹) کسی بھی خاص یا عام موقع پر لوگوں سے خطاب کرنا جائز ہے۔

(۱۰) اگر کسی کا کچھ دنیاوی نقصان ہو جائے تو اسے آخرت میں ثواب کی امید دلا کر تسلی دینا چاہئے۔

(۱۱) اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل سب سے بڑھ کر ہے۔

(۱۲) دنیا پر آخرت کو ترجیح دینی چاہئے۔

(۱۳) دنیاوی نقصان پر صبر کرنا چاہئے تا کہ آخرت میں اس کا اجر ملے **وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى**

(۱۴) داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی سر سے اونچا ہو جانے سے پہلے ہی حالات پر قابو پالے۔

(۱۵) خطیب کو چاہئے کہ اصل موضوع پر آنے سے پہلے وہ مؤثر اور دلنشیں انداز میں تمہیدی کلمات کہے تا کہ لوگ پوری طرح اسکی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(۱۶) جو شخص چاہتا ہو کہ لوگ اس کی بات سنیں اسے چاہئے کہ پہلے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کر لے اور ان کو اپنی خیر خواہی کا یقین دلا دے۔

(۱۷) دنیاوی ساز وسامان کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے لئے لڑائی، جھگڑا، مقابلہ آرائی اور سرکشی مناسب نہیں۔

(۱۸) کسی شخص کو کثرت سے نوازا جانا اس کے علو مرتبت کی دلیل نہیں ہوسکتی ہے بلکہ اس کے برعکس بہت ممکن ہے اس پر اعتماد اور اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے اسے انعام واکرام سے نوازا گیا ہو۔

(۱۹) کامیاب خطاب اور موثر بیان کے اصول: -(ا) خطاب اس انداز میں کرنا چاہئے کہ ہر سامع کو یہ گمان ہو کہ خطیب ہم ہی سے مخاطب ہے۔

اللہ ری چشم یار کی معجز بیانیاں
ہر اک کو گماں ہے کہ مخاطب ہمیں رہے

(ب) سامعین کو متوجہ رکھنے کے لئے ان سے بار بار سوال پوچھنا چاہئے۔ (ج) خطیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سامعین کو مخالفت کا تاثر نہ دے بلکہ ان کے جذبات کو اپیل کرے۔ (د) مقرر کو موضوع کے تمام پہلوؤں کا جامعیت اور وضاحت کے ساتھ احاطہ کرنا چاہئے۔ (ر) دلائل کی قوت سے اپنے مخاطبین کو قائل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (س) اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بات زیادہ طویل نہ ہو مبادا حاضرین اکتا جائیں۔ (ص) غیر محسوسات کو محسوسات کا قالب دیکر سامعین کے ذہنوں سے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم کو دنیا کا معمولی سامان سے تعبیر کیا اور جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے اپنی محبت اور ان کی طرف اپنے قلبی رجحان کا اظہار یہ کہہ کر فرمایا کہ اگر تمام لوگ ایک راہ پر چلیں اور انصار الگ راستہ اختیار کریں تو میں انصار کا ساتھ دوں گا، بالکل اسی طرح ایک کامیاب مقرر بھی مثالوں اور عام فہم باتوں کے ذریعہ سامعین کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔